تاجدارِ ختمِ نبوت زندہ باد

مجلہ ماہنامہ

الحقیقہ

پاکستان

جون 2022ء

زیارتُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



حضور مفکرِّ اسلام

ایک منفردِ حمد و نعت گو

(اداریہ)

ہمارے اخلاقی بگاڑ کا ذمہ دار کون

پی ٹی آئی یا نون لیگ؟

طلبہ کی تعمیر و ترقی میں استاد کا کردار

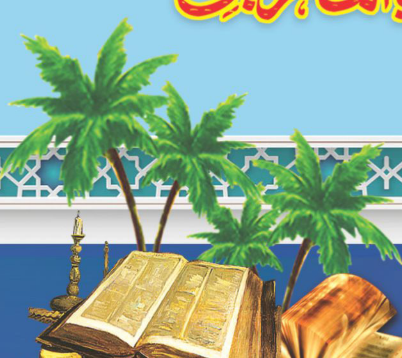
ایک سفر جو حاصلِ حیات بن گیا

کشف المعانی
مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

معاشرے میں منشیات کے بڑھتے ہوئے رجحانات

مسائلِ دینیہ

دورِ حاضر کے مسائل کا قرآن وحدیث کی روشنی میں مُدلّل حل



محبتوں اور جرأتوں کا قافلہ رواں دواں

فہرست

1	اداریہ	علامہ سعید محمد عامر آسوی	2
2	حیات النبی صلے اللہ علیہ وسلم	علامہ غلام راسول قاسمی	6
3	ایک منفرد حمد ونعت گو	ڈاکٹر محمود احمد کاوش	13
4	ایک سفر جو حاصل حیات ۔۔۔	صاحبزادہ خورشید گیلانی	27
5	مکتوبات شریف	علامہ اسحاق نظیری	32
6	منشیات کے بڑھتے ہوئے ۔۔	سید آل احمد رضوی	40
7	طلبہ کی تعمیر وترقی ۔۔۔۔	مفتی اصغر علی	46
8	خبرنامہ	رانا آفتاب خاں	48

نعت رسول مقبول

کاش قسمت جگائے ہمارا نبی سب کی بگڑی بنائے ہمارا نبی ﷺ
خود بھی بخشے ہماری خطا و سزا رب سے بھی بخشوائے ہمارا نبی ﷺ
شرک سے اب بچایا ہے سرکار نے نار سے کل بچائے ہمارا نبی ﷺ
ان کو پھر در بدر سے بھلا کیا غرض جن کو در پہ بلائے ہمارا نبی ﷺ
رنج و غم سے رہے ان کو کیا واسطہ آپ جن کو ہنسائے ہمارا نبی ﷺ
عرش و کرسی کو ہے نور جس سے ملا دل میں بھی جگمگائے ہمارا نبی ﷺ
کیوں مکانی سمجھتے ہیں اغیار ،جب لامکاں پھر کے آئے ہمارا نبی ﷺ
غیر سے علم کی بھیک مانگیں تو کیوں جن کو سب کچھ سکھائے ہمارا نبی ﷺ
ان سے بڑھ کر کوئی دیکھ سکتا ہے کیا جن کو جلوہ دکھائے ہمارا نبی ﷺ
عید ہوگی ہماری اسی روز جب رخ سے پردہ اٹھائے ہمارا نبی ﷺ
شیخ کے صدقے آسی دمِ واپسی گنگناتا ہی جائے ، ہمارا نبی ﷺ

حضور مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی

☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆......☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

یونس - ۶۲

ترجمہ: سُن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم

مجلہ الحقیقہ اداریہ

ہمارے اخلاقی بگاڑ کا ذمہ دار کون...... پی ٹی آئی یا نون لیگ؟

گذشتہ چند سالوں سے ہمارے سیاستدانوں نے پارلیمنٹ کے اندر اور باہر نیز میڈیا ٹاک شوز میں گالی فحش جملہ بازی اور بدزبانی کے غلیظ کلچر کو فروغ دیا ہے۔عوام النّاس کی ایک بڑی تعداد بھی تمام اخلاقی حدود کو پامال کرتے ہوئے اس مخربِ اخلاق کلچر کو دانستگی یا نادانستگی میں اپنا رہی ہے، جو ایک بہت بڑا قومی المیہ ہے۔اس وقت وطنِ عزیز کی سیاست کا اخلاقی پہلو دیکھیں تو صورتحال خاصی دلخراش نظر آئے گی۔نون لیگ والے پی ٹی آئی کے لیڈر عمران خان کو یہودی ایجنٹ کہہ رہے ہیں تو پی ٹی آئی کے لوگ نون لیگ کے لیڈروں نواز شریف، شہباز شریف اور مریم نواز وغیرہم کو غدار اور امریکہ کا ایجنٹ کہہ رہے...... پی ٹی آئی کی خاتون رکن اسمبلی شیریں مزاری کو ٹریکٹر ٹرالی کہا جانا اور علی امین گنڈاپور کا مریم نواز کو گالی دینا......عمران خان کی ترجمان فردوس عاشق اعوان کا مندوخیل کو لائیو ٹی وی شو میں تھپڑ مارنا......سندھ کے مشیرِ اعلیٰ ارباب غلام رحیم کا ایک صحافی کو گالیاں دینا اور تھپڑ مارنا...... عابد شیر علی کا لندن کے ایک بھرے ریسٹورنٹ میں گالم گلوچ کرنا......شیخ رشید کا رانا ثناء اللہ کو مونچھوں والا بندر کہنا اور رانا ثناء اللہ کا شیخ رشید کو حرامی کہنا...... یہ سب متعفن و بدبودار باتیں ہماری سیاسی قیادت کے اخلاقی دیوالیہ پن کا اعلان نہیں تو اور کیا ہے؟۔ برہنہ دشنام طرازی کی ایسی فضا پر مرزا غالب جیسا نستعلیق مزاج شخص تلملا کر پوچھتا ہے:

مجھ سے کہتے ہو تم کہ 'تو' کیا ہے ؟ تم ہی کہو ، یہ اندازِ گفتگو کیا ہے ؟

پھر ان سیاسی جماعتوں اور لیڈروں کا وضع کردہ یہ بیہودہ کلچر ان سے وابستہ کثیر لوگوں کی اخلاقی گراوٹ کا بھی سبب بن رہا ہے۔چنانچہ سبھی لوگ آگاہ ہیں کہ عوام الناس میں ایسا ماحول تخلیق پا چکا ہے کہ جو جس سیاسی قاید کے ساتھ قلبی وابستگی رکھتا ہے، اسے قوم کا 'نجات دہندہ' اور انقلابی لیڈر ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے جبکہ مخالف سیاسی لیڈر کو شیطان، غدار، امریکہ و یہود کا ایجنٹ

ثابت کرنے کے لیے عدل وانصاف کا بے دریغ خون بہا دیا جاتا ہے۔سب اپنی اپنی کہہ رہے،کوئی کسی کی نہیں سن رہا۔

چنانچہ ایک صاحب کا واٹس ایپ سٹیٹس دیکھنے کا اتفاق ہوا،موصوف نے ایک وڈیو کلپ اَپ لوڈ کر رکھا تھا جس میں سینکڑوں گدھے تیزی کے ساتھ کسی منزل کی جانب گامزن دیکھے جاسکتے تھے۔نیچے تحریر میں عمران خان کے اسلام آباد دھرنے (۲۵ مئی) میں جانے والے لوگوں کو ان گدھوں سے تشبیہہ دی گئی تھی۔لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔عجب بیہودگی ہے۔یونہی پی ٹی آئی سے تعلق رکھنے والے اپنے مخالفین کو کتوں اور مینڈکوں سے تشبیہہ دیتے نظر آئے۔ایسی مبنی بر خرافات لاتعداد مثالیں دیکھنے اور سننے کو مل رہی ہیں۔یہ سب کیا ہے؟۔کسی کو خدا کا ڈر نہیں؟

سیاسی قائدین کی محبت میں ہم نے اپنی اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا،اور سب سے بڑے مذہبی قاید،کائنات کے سب سے بڑے مصلح،انسانیت کے سب سے بڑے نجات دہندہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی پاکیزہ وخوشبودار تعلیمات کو بھلا بیٹھے۔اگر واقعی بھول گئے ہیں تو آیئے! ہم آپ کو یاد دلاتے ہیں۔پیغمبرِ انس و جاں،سرورِ دو جہاں،رسولِ عالم و عالمیاں،حاصلِ کن فکاں،مالکِ این و آں،باعثِ چنین و چناں،راحتِ خستہ دلاں،چارۂ بے چارگاں،دلیلِ سبیلِ عرفاں بلکہ خلیلِ جلیلِ رحماں حضور احمد مجتبےٰ محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

1۔ لَا يَسْتَقِيْمُ اِيْمَانُ عَبْدٍ حَتّٰى يَسْتَقِيْمَ قَلْبُهُ وَلَا يَسْتَقِيْمُ قَلْبُهُ حَتّٰى يَسْتَقِيْمَ لِسَانُهُ .....(رواه احمد فی المسند برقم ۱۲۵۷۵.

والبیهقی فی الشعب برقم ۸..والشهاب القضاعی فی المسند برقم ۸۲۷..وابن ابی الدنیا فی الصمت برقم ۹..وابن عدی فی الکامل ۲۸۸/۵)

ترجمہ: کسی شخص کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا دل درست نہ ہو جائے۔اور کسی کا دل اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی زبان درست نہ ہو جائے۔

2۔ جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوہِ صفا پر چڑھتے ہیں اور اپنی زبان پکڑ کر کہتے ہیں:

يَا لِسَانُ قُلْ خَيْرًا تَغْنَمْ وَاسْكُتْ عَنْ شَرٍّ تَسْلَمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَنْدَمُ

اے زبان! اچھی بات بول،اس میں تیرے لیے غنیمت ہے۔اور بری بات سے خاموش رہ،اس میں تیرے لیے سلامتی ہے۔اور یہ

کام شرمندہ ہونے سے پہلے کر (ورنہ شرمندگی اٹھائے گی)۔پھر فرمایا:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَكْثَرُ خَطَايَا ابْنِ آدَمَ فِيْ لِسَانِهٖ.(رواہ الطبرانی فی الکبیر ۴۵۹۔وابو نعیم فی الحلیہ ۱۲۳/۲)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ابنِ آدم کی زیادہ خطائیں اس کی زبان میں ہیں۔

3۔ جناب ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (حدیث کا کچھ حصّہ)

وَمَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ ..... (رواہ مالک فی الموطا برقم ۱۴۵۴۔ والبخاری فی الصحیح برقم ۵۵۶۰، ۵۶۷۰)

اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیئے کہ یا تو اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔

4۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ اقدس کو پکڑ کر جناب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

کُفَّ عَلَیْکَ ھٰذَا اس کو قابو میں رکھ

معاذ کہتے ہیں کہ میں نے تعجب سے عرض کیا:

وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَکَلَّمُ بِہٖ

(یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم!) کیا ہم جو باتیں کرتے ہیں، ان کی وجہ سے بھی ہماری پکڑ کی جائے گی؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ یَا مُعَاذُ وَھَلْ یَکُبُّ النَّاسَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ اَوْ عَلٰی مَنَاخِرِھِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِھِمْ...

(رواہ الترمذی فی الجامع برقم ۲۵۴۱۔ وابن ماجہ فی السنن برقم ۳۹۶۳)

اے معاذ! تیری ماں تجھے کھودے۔ لوگوں کو چہروں کے بل یا ناک کے بل آگ میں ڈالے جانے کا سبب ان کی زبانوں کی کھیتیاں ہی تو ہیں۔

5۔ جناب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے، فرماتے ہیں:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ کَالْمُشْرِفِ عَلَی الْھَلَکَۃِ..... (الترغیب والترہیب۔ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز۔ صفحہ:۳۵۷)

ترجمہ: مسلمان کو گالی دینا خود کو تباہی میں ڈالنا ہے۔

6۔ جناب عیاض بن جمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا نبی اللہ صلی اللہ علیک وسلم! ایک آدمی مجھے گالیاں دیتا ہے حالانکہ وہ مجھ سے کمزور ہے۔ اگر میں اس سے بدلہ لے لوں تو مجھ پر کوئی گناہ تو نہیں ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُتَسَابَّانِ شَیْطَانَانِ یَتَھَاتَرَانِ وَیَتَکَاذَبَانِ..... (صحیح ابن حبان: ۵۷۲۶)

ایک دوسرے کو گالی دینے والے دونوں شیطان ہیں۔ آپس میں بری باتیں کہتے ہیں اور ایک دوسرے پر جھوٹے بہتان لگاتے ہیں۔

7۔ جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمنے ارشاد فرمایا:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْق" وَّقِتَالُهٗ كُفْر"..... (الترغیب والترہیب۔ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز۔ صفحہ: ۳۵۷)

ترجمہ: مسلمان کو گالی دینا (اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نافرمانی ہے اور اسے قتل کرنا یا اس کے ساتھ لڑنا کفر ہے۔

8۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمنے ارشاد فرمایا، دو مسلمانوں کے درمیان اللہ کی طرف سے رحمت کا ایک پردہ ہوتا ہے

فَاِذَا قَالَ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ كَلِمَةَ هُجْرٍ خَرَقَ سِتْرَ اللّٰهِ...... (الجامع لشعب الایمان)

ترجمہ: جب ان میں سے ایک اپنے دوسرے کو بری بات کہتا (گالی دیتا) ہے تو وہ اللہ کے پردہ (رحمت) کو پھاڑ دیتا ہے۔

9۔ جناب ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِىْءَ...... (ابوداؤد: ۴۷۹۹، الترمذی: ۲۰۰۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فحش گو زبان دراز سے دشمنی رکھتا ہے۔

یاد رکھیں! جس بے راہ روی، بیہودگی، اخلاقی مفلسی کی راہ پر قوم کو ان سیاسی لیڈروں نے ڈال دیا ہے، اس کا انجام خانہ جنگی ہے۔ لہٰذا سمبھل (سنبھل) جایئے...... خدا کا خوف کروائے لیڈرو، قوم نے تمہیں عزت دی، مسندِ اقتدار پر بٹھایا اور تم انہی سادہ لوح ہم وطنوں کو لڑاتے ہو۔ کچھ شرم کرو...... عوام الناس کو بھی چاہیئے کہ ہوش کے ناخن لیں...... صحتمند اور اصلاحی تنقید کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں، لیکن تہذیب کے دائرے سے باہر مت جایئے...... ایک دوسرے کا موقف تحمل سے سنیں، عدل کے ترازو میں تولیں، بات حق ہو تو قبول کر لیجئے...... تنگ دلی نہیں، کشادہ دلی کا مظاہرہ کیجئے...... ہماری سیاست، ہماری دوستی، ہماری دشمنی سب اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا کے تحت ہو تو اصلاحِ احوال ممکن ہے...... اللہ توفیق دے اور اس قوم پر رحم فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

زیارت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

پیر سائیں غلام رسول قاسمی قادری نقشبندی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)۔حج کے بعد محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے جانا واجب کے قریب ہے بلکہ اسے واجب ہی کہنا زیادہ مناسب ہے۔اس لیے کہ جس ہستی کے طفیل میں اسلام نصیب ہوا، حج کی عبادت عطا ہوئی، جس نے ہمیں حج کے مناسک وآداب سکھائے، آج کوئی شخص حج کر چکنے کے بعد اسی محسن ومربی کو فراموش کر کے گھر واپس آجائے تو یہ اس کی بد نصیبی کی انتہا ہے۔خصوصاً جب کہ محبوب کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی

یعنی جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے مجھ سے بے وفائی کی (ابن عدی ۷/۱۴)۔

(۲)۔اور فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہے (سنن الدارقطنی حدیث:۲۶۶۹، الشفا ۲/ ۶۸، الوفا ۲/ ۸۰۰ورواہ البزار ۱/۲ /۵۷عن موسیٰ بن ہلال)۔

اور فرمایا ''جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں زیارت کی'' (سنن الدارقطنی حدیث:۲۶۶۷، السنن الکبریٰ للبیہقی حدیث:۵/ ۲۴۶)۔

(۳)۔حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من زارنی متعمداً کان فی جواری یوم القیمة

یعنی جس نے ارادۃً میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا (الضعفا للعقیلی حدیث:۲۱۶۳، شعب الایمان للبیہقی حدیث:۴۱۵۲)۔

اس حدیث شریف میں متعمداً (یعنی ارادہ کرتے ہوئے) کے لفظ سے ظاہر ہے کہ مدینہ شریف کی طرف سفر شروع کرتے وقت سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی نیت اور ارادہ کرنا چاہیے۔جس حدیث شریف میں ہے کہ تین مسجدوں (یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ) کے علاوہ سپیشل سفر مت کرو، تو اس حدیث شریف میں صرف مساجد کی بات ہو رہی ہے یعنی ان مسجدوں کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کی خاطر سپیشل سفر کرنا منع ہے۔ورنہ حج کے دوران عرفات، مزدلفہ منیٰ میں جانا، جہاد، ہجرت اور ماں باپ کی زیارت وغیرہ سب کام حرام ہو جائیں گے۔

اگرچہ قبر نبی، مزار نبی اور روضہ رسول کے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے اور بعض احادیث میں بھی سمجھانے کے لیے عام اصطلاح کے طور پر قبر کا لفظ استعمال ہوا ہے اور سمجھانے کے لیے بعض اوقات ہمیں بھی یہ الفاظ استعمال کرنا پڑتا ہے، لیکن قبر کی زیارت کا لفظ عوام کی قبروں

کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان کو عام مسلمانوں سے ممتاز رکھنے کا حکم دیا ہے (النور:۶۳)۔لہذا ہمارے لیے مناسب یہی ہے کہ قبر نبی کی زیارت کی بجائے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے الفاظ استعمال کریں۔یہی قول امام مالک علیہ الرحمہ کا ہے (الشفاء جلد۲ صفحہ۶۹)۔

قرآنی الفاظ جاء وک (یعنی گناہ گار لوگ میرے پاس آجائیں) بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔چند سطریں پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں من زرانی کے الفاظ ہیں یعنی جس نے میری زیارت کی۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مزار اقدس پر حاضر ہو کر یہی کہا تھا کہ اتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعنی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا ہوں (مسند احمد حدیث:۲۳۶۴۸،متدرک حاکم حدیث:۸۷۴۹)۔نیز محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں۔اس لیے بعض علماء نے زیارت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کا عنوان قائم فرمایا ہے (مثلاً نورالایضاح صفحہ۱۸۷)۔

(۴)۔مدینہ منورہ کی طرف سفر،مدینہ منورہ میں داخلہ،مدینہ منورہ کی مقدس گلیوں میں سفر،سواری سے اترنا اور حرم حبیب تک چل کر حاضر ہونا یہ تمام ایسے مراحل ہیں کہ محبت والوں کو قدم قدم پر ہماری راہنمائی کام نہیں دے سکتی۔ہاں البتہ حرم حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری دینے والے خوش نصیبوں کو فقیر راقم الحروف دعا دیتا ہے کہ اللہ کریم آپ کو ادب کی توفیق دے اور محبت حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں مست بنائے۔

(۵)۔جب روضہ انور دور سے نظر آجائے تو کثرت سے درود وسلام پڑھنا چاہیے۔

(۱)۔حاضری سے پہلے تازہ وضو،مسواک اور اگر ہو سکے تو غسل کرنا چاہیے۔بہترین لباس،خوشبو اور سرمہ لگا کر حاضری کے لیے نکلنا چاہیے۔

(۷)۔مسجد شریف کی حد میں داخل ہونے سے پہلے جوتے اتار لینا مناسب ہے۔

(۸)۔مسجد شریف کے باہر اپنا موبائل بند کر دیں۔

باب جبریل کے پہلو میں ذرا دھیرے سے
فخر جبریل کو کہتے ہوئے یوں پایا گیا
اپنی پلکوں سے دریار پر دستک دینا
اونچی آواز ہوئی عمر کا سرمایہ گیا

(حضرت خواجہ محمد فخر الدین سیالوی قدس سرہ)

(۹)۔مسجد شریف کے دروازے پر پہنچ کر درود شریف کی کثرت کرنی چاہیے اور ادب کا ایک انداز یہ ہے کہ داخل ہوتے وقت ایک لمحہ کے لیے رک جائیں اور رک کر پھر داخل ہوں،جیسے اجازت لے کر داخل ہو رہے ہوں۔پھر بسم اللہ پڑھ کر مسجد میں داخل ہونے کی مسنون دعا

اللھم افتح لی أبواب رحمتک پڑھنی چاہیے اور دایاں پاؤں پہلے رکھنا چاہیے۔

(۱۰)۔مسجد شریف میں داخل ہوکر اگر فرض نماز کا وقت ہو تو پہلے نماز پڑھیں۔یہی نماز تحیۃ المسجد کے بھی قائم مقام ہوجائے گی۔اور اگر نماز کا وقت نہیں تو دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کریں اور اللہ کریم سے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ ناز میں ادب سے حاضری دینے کی توفیق مانگیں۔

(۱۱)۔سر جھکائے ہوئے باب السلام کی جانب سے قبر انور کی طرف چلیں۔دوسرے زائرین کا احترام کریں کسی کو دھکا مت دیں۔زائرین کی قطاریں لمبی ہوں تو کسی کو کراس نہ کریں۔

(۱۲)۔حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔حدیث شریف میں ہے کہ:الأنبیاء أحیاء فی قبورھم یصلون یعنی انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں (مسند ابی یعلی حدیث:۳۴۲۵،مجمع الزوائد حدیث:۱۳۸۱۲)۔لہذا قبر انور کے سامنے پہنچ کر قبر انور کی طرف منہ کرلیں اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرلیں اور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قبر انور میں زندہ سمجھتے ہوئے نہایت ادب کیساتھ نماز کی طرح ہاتھ باندھ لیں اور دھیمی آواز کیساتھ عرض کریں۔

الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ

الصلوۃ والسلام علیک یانبی اللہ

اس طرح کے درود شریف جی بھر کر پڑھیں۔اور پھر محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احسانوں کا شکریہ ادا کریں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دین دیا اور سکھایا۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کے دن شفاعت کی درخواست کریں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پر قبلہ کی طرف سے آؤ،اپنی پشت قبلہ کی طرف کرلو اور چہرہ قبر انور کی طرف کرلو۔پھر کہو السلام علیک أیھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (مسند امام اعظم صفحہ ۱۲۶)۔

صحابہ کرام اگر نماز میں ہوتے اور انہیں محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آواز دیتے تو صحابہ کو اللہ کریم جل شانہ نے حکم دیا ہے کہ نماز توڑ کر حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوجائیں

یا ایھا الذین امنوا استجیبو اللہ وللرسول إذا دعاکم (انفال:۲۴)۔

ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا رہے تھے کہ حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھا کر مسجد میں دیکھا۔تمام صحابہ کرام نے حضور کو دیکھنا شروع کردیا مگر پھر بھی نماز نہیں ٹوٹی (بخاری حدیث:۶۸۰ مسلم حدیث:۹۴۴)۔

ہر نماز میں ہم اللہ کی بارگاہ میں بیٹھ کر السّلام علیک أیھا النبی کے الفاظ کے ساتھ محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہیں۔مگر نماز میں خلل تو درکنار اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔

ایک نابینا صحابی کو محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا سکھائی۔ وہ صحابی اللہ کی بارگاہ میں بیٹھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہے تھے۔ اسی دعا میں وہ کبھی اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوتے اور کبھی حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوتے تھے۔

دعا یہ ہے کہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تجھے واسطہ دیتا ہوں۔ یا نبی اللہ میں آپ کے ذریعے سے اللہ کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی کرے۔ اے اللہ میرے حق میں اپنے نبی کی شفاعت قبول فرما (ترمذی حدیث: ۳۵۷۸، ابن ماجہ حدیث: ۱۳۸۵، السنن الکبری للنسائی حدیث: ۱۰۴۹۵)۔

اس حدیث شریف سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے وقت محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھی درخواست پیش کر دینا اور دونوں طرف کا خطاب باہم گڈمڈ کر دینا جائز ہے۔ ان حدیثوں سے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا ثابت ہے اور حضرت عثمان بن حنیف والی حدیث سے ہاتھ اٹھا کر دعا کی طرح عرض کرنا ثابت ہے۔

ایک مرتبہ خادم رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پر حاضر ہوئے، آپ نے کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ دیکھنے والوں کو یوں لگا کہ انہوں نے نماز شروع کر دی ہے (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۷۰)۔

چاند کو دیکھ کر مسنون دعا مانگنے والا **اللھم** کہہ کر اللہ کریم سے دعا مانگ رہا ہوتا ہے اور اسی دوران **ربی و ربک اللہ** کہہ کر چاند کو خطاب کر رہا ہوتا ہے اور اس وقت اس کا منہ چاند ہی کی طرف ہوتا ہے، اس وقت چاند کی طرف پیٹھ نہیں کی جاتی۔ عام قبرستان میں جا کر سلام اور دعا کرتے وقت اور **یغفر اللہ لنا و لکم** کے دعائیہ الفاظ کہتے وقت زائر کا منہ قبرستان کی طرف ہوتا ہے نہ کہ پیٹھ۔ امام جب سلام پھیرتا ہے تو اپنا چہرہ مقتدیوں کی طرف پھیر کر دعا کرتا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مقتدیوں سے دعا مانگ رہا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک مومن کی شان کعبہ سے بڑھ کر ہے (ابن ماجہ حدیث: ۳۹۳۲)۔ جب ایک مومن کی شان کعبے سے زیادہ ہے تو ایک ولی کا کیا مقام ہوگا، پھر ایک صحابی کا کیا مقام ہوگا، پھر ایک نبی کا کیا مقام ہوگا اور پھر سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کیا مقام ہوگا؟ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کو چھونے والی مٹی عرش سے بھی اعلیٰ و افضل ہے اور آپ کا روضہ انور کعبے کا بھی کعبہ ہے، تو کعبے کے مقابلے پر حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پیٹھ کر لینا کتنی قبیح حرکت ہوگی؟۔

جب ہم کسی بھی مسلمان کو السلام علیکم کہتے ہیں تو بلاشبہ یہ دعا ہی ہے جو ہم اپنے مسلمان بھائی کو دے رہے ہوتے ہیں مگر یہ دعائیہ جملہ بولتے وقت ہمارا منہ اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہوتا ہے نہ کہ پیٹھ۔

یہ ناقابل تردید دلائل ہیں جن کی بنا پر علماء اسلام نے تصریح فرمائی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور کے سامنے نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر سرکار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہونا چاہیے۔ چنانچہ فتاویٰ عالم گیری جو علماء کی ایک عظیم جماعت نے مل کر لکھا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: **ویقف کما یقف فی الصلوۃ** یعنی اس طرح کھڑا ہو جس طرح نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ (فتاویٰ عالم گیریہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۵)۔ اور وہیں کھڑے ہو کر روضہ پاک کی طرف منہ کر کے ہر طرح کی دعائیں مانگنا بھی لکھا ہے۔

سیدنا ومولینا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دفن ہونے کے تین دن بعد ہم نے ایک اعرابی کو دیکھا۔ وہ محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبرانور پر سر رکھ کر اوراپنے سر پر قبرانور کی مٹی ڈال کر عرض کر رہا تھا۔ یارسول اللہ ہم نے آپ کی زبان مبارک سے اللہ کا فرمان سنا ہے کہ **ولو انھم إذ ظلموا أنفسھم جاء وک**۔ یارسول اللہ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔ میرے لیے اللہ سے استغفار فرمائیں۔ قبرانور سے آواز آئی کہ تیری بخشش ہو گئی (مدارک جلد ۱ صفحہ ۳۹۹، قرطبی جلد ۵ صفحہ ۲۵۵)۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ مروان بن حکم نے کسی آدمی کو محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قبرانور پر منہ رکھے ہوئے دیکھا۔ اس نے اسے گردن سے پکڑ لیا اور کہا جانتے ہو کیا کر رہے ہو؟ اس آدمی نے کہا ہاں جانتا ہوں کیا کر رہا ہوں، ساتھ ہی جب چہرہ اس کی طرف پھیرا تو وہ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ فرمانے لگے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا ہوں، کسی بت کے پاس نہیں آیا۔ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تک حکمران اہل ہوں تو دین پر مت رونا اور جب دین کی حکمرانی نااہلوں کے ہاتھ میں ہو تو دین پر رونا (مسند احمد حدیث: ۲۳۶۴۸، مستدرک حاکم حدیث: ۸۷۴۹)۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے امیرالمومنین ابوجعفر نے مسجد نبوی شریف میں بحث کی تو آپ نے فرمایا: اے امیرالمومنین اس مسجد میں اپنی آواز بلند مت کرو۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: **لاترفعوا أصواتکم فوق صوت النبی**۔ ابوجعفر نے پوچھا، میں قبلے کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں یا رسول اللہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں؟ آپ نے فرمایا تم اس سے اپنا منہ کیوں پھیرتے ہو جو قیامت کے دن تیرا بھی وسیلہ ہے اور تیرے باپ آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہے، قبلے کی بجائے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منہ کرو اور شفاعت طلب کرو اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **ولو انھم إذ ظلموا أنفسھم جاء وک** (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۳۳)

لہٰذا آج بھی جب دیار حبیب پر حاضری نصیب ہو تو عرض کریں کہ یارسول اللہ، اللہ کریم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ **ولو أنھم إذ ظلموا أنفسھم جاء وک** لہٰذا ہماری شفاعت فرمائیں۔ پھر اگر کسی نے سلام عرض کرنے کو کہا تو اس کی طرف سے بھی سلام عرض کریں خواہ کسی بھی زبان میں ہو۔ محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام زبانیں جانتے ہیں۔

اس کے بعد جو چاہیں دعا مانگیں۔ فقہا علیہم الرضوان نے لکھا ہے کہ: **ثم تدعو بما شئت عند وجہہ الکریم مستدبراً القبلۃ** یعنی محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منہ کر کے قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے جو چاہو دعائیں مانگو (نورالایضاح صفحہ ۱۹۲)۔

اس کے بعد سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو باری باری سلام عرض کریں اور ان کے احسانوں کا بھی شکریہ ادا کریں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ اسلام کی بنیادوں میں ان کا خون پسینہ لگا ہوا ہے۔ ان دونوں ہستیوں کو عرض کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہم آپ کو وسیلہ بناتے ہیں تاکہ ہماری شفاعت ہو جائے **نتوسل بکما إلی رسول اللہ یشفع لنا** (فتاویٰ عالم

گیری جلد اصفحہ ۲۶۶،نور الایضاح صفحہ ۱۹۴)۔

اس کے بعد فقہا علیہم الرضوان فرماتے ہیں کہ:ثم یدعو لنفسه و لو الدیه و لمن أوصاه بالدعاء و لجمیع المسلمین یعنی اپنے لیے دعا مانگے اور اپنے والدین کے لیے اور جس نے دعا کے لیے کہا تھا اس کے لیے اور تمام اہل اسلام کے لیے دعا مانگے (فتاوی عالمگیری جلد اصفحہ ۲۶۶،نور الایضاح صفحہ ۱۹۳۔۱۹۴)۔

اس کے بعد دوبارہ حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور کے سامنے واپس آجائیں اور دعا کریں کہ اے اللہ کریم آپ نے خود فرمایا ہے اور حق فرمایا ہے کہ:ولو انهم اذ ظلموا أنفسهم جاء وک فاستغفروا الله و استغفر لهم الرسول لو جدوا الله توابأرحیما یعنی جب یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو اے محبوب آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں اور اللہ سے معافی مانگیں اور اللہ کا رسول بھی ان کے لیے معافی مانگے تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اے اللہ کریم ہم تیرے حکم پر عمل کرتے ہوئے تیرے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہیں اور خطاؤں کا اعتراف کرتے ہیں۔ہمیں اپنے حبیب کے صدقے بخش دے۔ہمارے ماں باپ اور حضور کی ساری امت کو بخش دے۔اس کے علاوہ بھی جو دعائیں زبان پر جاری ہوسکیں مانگتا جائے۔یہ قبولیت کا بلند ترین مقام ہے۔ویدعو بما حضره ویوفق له بفضل الله (نور الایضاح صفحہ ۱۹۴،فتاوی عالم گیری جلد اصفحہ ۲۶۶)۔

اس کے بعد اسطوانه ابی لبابه، اسطوانه عائشه اور حنانه شریفه کے پاس جا کر دعائیں مانگیں اور استغفار کریں۔اور روضہ(جسے عام طور پر ریاض الجنہ کہتے ہیں)میں جس قدر ہوسکے نوافل پڑھیں۔یہ تمام متبرک مقامات مسجد نبوی کے اندر موجود ہیں اور دوسرے زائرین اور راہنما عملے سے بہ آسانی معلوم ہو جاتے ہیں۔

حضرت سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے منبر مبارک پر آپ کے بیٹھنے کی جگہ پر ہاتھ رکھا اور پھر اس ہاتھ کو برکت کے لیے اپنے چہرے پر مل لیا (الشفاء جلد ۲ صفحہ ۷۰)۔

اس کے بعد جنت البقیع (بقیع الغرقد) کی زیارت کریں۔بقیع میں داخل ہوتے ہی سامنے ذرا دائیں طرف حضرت عباس، حضرت امام حسن،امام زین العابدین،امام باقر،امام جعفر صادق اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سر مبارک بالکل قریب قریب دفن ہیں۔اور ان سب کے دائیں طرف قدرے ممتاز قبر انور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا علی ابیہا وعلیہم الصلوۃ والسلام کی ہے۔بقیع کے گیٹ کے سیدھا سامنے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تین شہزادیوں کی قبریں ہیں۔ان کے ساتھ ہی بائیں طرف نو ازواج مطہرات کی اکٹھی قبریں ہیں۔تھوڑا آگے حضرت عبد اللہ بن حارث اور حضرت عقیل بن ابی طالب کی قبریں ساتھ ساتھ ہیں۔تھوڑا آگے جائیں تو بائیں طرف حضرت عبد اللہ ابن عمر،حضرت نافع اور حضرت امام مالک کی قبریں ساتھ ساتھ ہیں تھوڑا آگے چلیں تو بائیں طرف شہزادہ رسول حضرت سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور خوب بڑی ہے اور اس کے سرہانے خوب موٹا پتھر موجود ہے۔تھوڑا آگے چلیں تو شہداء احد کی قبریں ہیں جو ایک پتھریلی چاردیواری سے ممتاز کر دی گئی ہیں۔گیٹ کے اندر داخل ہوں تو بائیں کونے میں محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تین پھوپھیاں دفن ہیں بقیع شریف کے اندر دور چلے جائیں تو تقریباً وسط میں خلیفہ ثالث سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر انور ہے جو بقیع کی تمام قبروں سے ممتاز اور مشرف ہے اور اس کے چاروں طرف سڑک یعنی راستہ موجود ہے۔یہاں سے تقریباً ۵۰ گز کے فاصلے پر

بائیں طرف حلیمہ سعدیہ کی قبرانور ہے۔

حضرت ابوسعید خدری اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ ماجدہ حضرت سیدتنا فاطمہ بنت اسد کی قبریں بقیع شریف کے آخری بائیں کونے کے قریب ایک ہی چاردیواری کے اندر موجود ہیں۔ اگر موقع ملے تو ان ہستیوں کو الگ الگ سلام عرض کریں۔ سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص، آیت الکرسی اور درود شریف پڑھ کر ایصال ثواب کریں۔ اگر موقع نہ ملے تو اکٹھا سلام اور ایصال ثواب کافی ہے۔ **علی حبیبهم وعليهم الصلوة و السلام**

حضرت سیدالشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبرانور میدان احد میں ہے۔ بعض دیگر شہداء احد کی قبریں بھی وہیں پر ہیں۔ وقت نکال کر وہاں حاضری دیں۔ سلام عرض کریں اور اایصال ثواب کریں۔

مسجد قبا وہ مسجد ہے جس کا سنگ بنیاد محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کر کے تشریف لاتے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے رکھا تھا۔ یہ مسجد مدینہ شریف سے باہر تھی، اب آبادی بڑھنے سے شہر مقدس کے اندر آگئی ہے۔ محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہر ہفتہ کے دن اس مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے (بخاری حدیث: ۱۱۹۱، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، مسلم: ۳۳۸۹)۔ مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے بعد یہ مسجد تمام مساجد سے افضل ہے۔ حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے گھر سے وضو کیا اور مسجد قبا میں جا کر نماز ادا کی اسے عمرے کا ثواب ملے گا (ابن ماجہ، حدیث: ۱۴۱۲)۔ اس مسجد میں خوب دعائیں کرنی چاہئیں۔

(۱۳)۔ جہاں تک ممکن ہو روضہ انور کی طرف پیٹھ نہ کریں۔

(۱۴)۔ شہر اقدس میں چلتے وقت اگر دور سے گنبد خضری پر نظر پڑے تو روضۂ انور کی طرف منہ کر کے دست بستہ کھڑے ہو جائیں اور صلوۃ وسلام پڑھ کر گزریں۔

(۱۵)۔ مدینہ شریف میں اگر کوئی بیمار ہو جائے یا اسے کوئی تکلیف پہنچے حتیٰ کہ ایک معمولی کانٹا بھی چبھے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرے۔ اللہ الرحمٰن کی قسم یہ سب تکالیف زائرین کے لیے رحمت ہیں۔

شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا يصبر على لاواء المدينة وشدتها أحد من امتى إلا كنت له شفيعاً يوم القيمة یعنی میری امت کا جو بھی شخص مدینہ کی مشکلات اور سختیوں پر صبر کرے گا قیامت کے دن میں اس کی ضرور شفاعت کروں گا (مسلم حدیث: ۳۳۴۷، موطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی سکنی المدینۃ والخروج منہا حدیث: ۳، مسند احمد حدیث: ۷۸۸۴)۔

(۱۶)۔ قیام کے دوران نماز باجماعت اور شریعت کی پابندی کریں۔

(۱۷)۔ ہر نماز کے بعد قبرانور پر حاضری دینے کی کوشش کریں۔

(۱۸)۔ رخصت ہوتے وقت صلوۃ وسلام عرض کریں کسی خاص عنایت کی توقع رکھیں، دوبارہ حاضری کی درخواست کریں، دوران قیام بے خبری میں ہونے والی بے ادبیوں کی معافی مانگیں، اور نہایت ادب سے درود شریف پڑھتے ہوئے، پیٹھ کیے بغیر رخصت ہوں، عشاق کے لیے دیار حبیب سے رخصت ہونے کی گھڑی بڑی سخت ہوتی ہے۔

پروفیسر محمد حسین آسیؔ
ایک منفرد حمد و نعت گو

ڈاکٹر محمود احمد کاوش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

حمد عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد وثنا اور مدح وتوصیف کے ہیں۔قرآنِ حکیم کی اِفتتاحی سورت ''الفاتحہ'' کی اوّلین آیت ''الحمد'' کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے معنی ہر طرح کی تعریف وتوصیف ہے اور اِس کا سزاوار خود خالق دو جہاں ہے۔ یہ سورۂ مبارکہ حمد ومناجات پر مشتمل ہے۔ اس میں اہلِ ایمان کو بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کیسے کرنی چاہیے اور اُس سے کیسے مانگنا چاہیے۔

کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتقدیس اور حمد وثنا میں مشغول ہے۔ سورۃ الحشر اور سورۃ الصّف دونوں کے آغاز میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْض

آسمانوں اور زمین میں جو مخلوقات ہیں، وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔

سورۃ التغابن میں بھی ارض وسما میں موجود ہر مخلوق کے محوِ تسبیح وتحمید ہونے کا ذکر اِن الفاظ میں کیا گیا ہے:

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

جو مخلوقات آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے، اسی کی حکومت ہے اور اس کی تعریف ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سورۃ الجمعہ میں بھی زمین وآسمان کی تمام مخلوقات کے تسبیح میں منہمک ہونے کی بات کی گئی ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْم

جو مخلوقات آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو بادشاہ، پاک ذات، غالب، حکمت والا ہے۔

سورۃ الاعلیٰ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى

اپنے رب کے نام کی تسبیح کیا کر جو سب سے اعلیٰ ہے۔

سورۃ الحشر کی آخری تین آیات میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان کیا گیا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا

يُشْرِكُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَه مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

وہی اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب چھپی اور کھلی باتوں کا جاننے والا ہے، وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ، پاک ذات، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑی عظمت والا ہے، اللہ پاک ہے اس سے جو اس کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا، ٹھیک ٹھیک بنانے والا، صورت دینے والا، اس کے اچھے اچھے نام ہیں، سب چیزیں اسی کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

انھی مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس اور حمد و ثنا کی باتیں کبھی ختم نہیں ہوسکتیں۔ خود قرآنِ مجید (سورۃ لقمان) اس بات کا اظہار یوں کرتا ہے:

وَلَوْ اَنَّمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (۲۷)

اور اگر زمین میں جو درخت ہیں وہ سب قلم ہو جائیں اور دریا سیاہی اس کے بعد اس دریا میں سات اور دریا سیاہی کے آ ملیں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں، بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

---

(۲)

اُردو میں حمد و نعت کی رِوایت خاصی مستحکم ہے۔ نعت کی صنف پر اُردو زُبان میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور لکھا جا رہا ہے۔ یہاں نہایت اِختصار کے ساتھ اُردو میں حمد نگاری کی رِوایت کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔

دُنیا کے مختلف مذاہب میں مختلف زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد کی روایت ملتی ہے۔ اہلِ اسلام نے قرآنِ حکیم سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے حمد کے موضوعات و مضامین منتخب کیے۔ ویسے تو نثر میں بھی حمد کی جاسکتی ہے، لیکن اُردو میں حمد کا تصور آتے ہی فوراً خیال نظم کی طرف جاتا ہے۔ چناں چہ بہ طورِ صنف، حمد سے مراد وہ شاعری لی جائے گی، جس میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف بیان کیے گئے ہوں۔

اُردو میں حمد کی صنف فارسی کی وساطت سے داخل ہوئی۔ اُردو کی قدیم مثنویوں کا آغاز حمد یہ اشعار سے ہوتا ہے۔ اسی طرح شعرا کے دواوین کے شروع میں بھی حمد نگاری کی روایت ملتی ہے۔

نعتیہ سرمائے کے مقابلے میں حمد یہ کلام پر مشتمل سرمایہ مقدار میں کم ہے، حال آں کہ نعت کے مقابلے میں حمد کہنا آسان ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نعت گوئی بے حد احتیاط کی متقاضی ہے۔ حمد میں آسانی یہ ہے کہ شاعر جس قدر چاہے، مبالغے سے کام لے سکتا ہے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اُردو میں حمد کے مقابلے میں نعت کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ بلا مبالغہ نعت کے ہزاروں مجموعہ ہائے کلام زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ اس کے برعکس حمد یہ مجموعہ ہائے کلام کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ ہمارے ہاں نعتیہ مشاعروں کا انعقاد کیا جاتا ہے، لیکن حمد یہ مشاعروں کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ البتہ اب طاہر سلطانی نے بزمِ جہانِ حمد کے پلیٹ فارم سے ہر مہینے ایک طرحی حمد یہ مشاعرہ کرانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔

محمد حسین تمنا کے حمد یہ دیوان ''نشیدِ ایمان'' کے آخر میں اس دیوان کے ناشر نے اسے اوّلین دیوانِ حمد قرار دِیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ:

''پوشیدہ نہ رہے کہ آج تک کسی شاعر نے دیوانِ حمد نہیں لکھا تھا۔اب عالمِ ربّانی،صوفیِ خفانی،شاعرِ لاثانی محمد حسین تمنّا صاحب نقشبندی نے یہ دیوان تصنیف فرمایا۔'' [1]

مذکورہ دیوانِ حمد ۱۳۰۹ھ بہ مطابق ۱۸۹۱ء/۱۸۹۲ء میں شائع ہوا۔اس کے ناشر کو معلوم نہیں تھا کہ اس سے دس سال پیش تر ۱۸۸۱ء میں مفتی غلام سرور لاہوری کا ''دیوانِ حمدِ ایزدی'' شائع ہو چکا تھا۔راقم کے پیشِ نظر اس دیوان کا ۱۹۰۹ء/۱۳۲۷ھ میں شائع ہونے والا ایڈیشن ہے۔ایک سو صفحات پر مشتمل مذکورہ دیوان میں حمدیہ شاعری کچھ زیادہ نہیں،اس میں حمدِ باری تعالیٰ کے علاوہ مضامینِ سلوک وتصوف ،دُنیا سے بے نیازی اور لاتعلقی،ناصحانہ اور واعظانہ کلام بھی شامل ہے۔مفتی صاحب کے دیوان سے چند حمدیہ اشعار پیشِ خدمت ہیں:

حاضر و ناظر ہے وہ خلّاقِ اکبر روز و شب — ہر گھڑی، ہر وقت، ہر دم، ہر زماں، ہر روز و شب
چہرہ دِکھلاتا ہے وہ ہر طالبِ دیدار کو — چاند بن کر اور کبھی خورشید بن کر روز و شب
بادشاہانِ زمانہ مالکانِ مملکت
سب کھڑے رہتے ہیں سائل اُس کے در پر روز و شب [2]

محمد حسین تمنا مرادآبادی کے مجموعے ''نشیدِ ایمان'' کا حوالہ سطورِ بالا میں آ چکا ہے۔اس مجموعے میں شامل شاعری صرف اُردو زبان میں نہیں، بلکہ اس میں فارسی کے متعدد قصائد بھی شامل ہیں۔اس دیوان سے ایک حمد کے یہ شعر دیکھیے:

خدا کی سلطنت ہر جا عیاں ہے — زمیں کس کی ہے، کس کا آسماں ہے
کھلاتا کون ہے گُل ہائے رنگیں — ثنا خواں کس کا مرغِ گلستاں ہے
بشر سنتا نہیں ہے ورنہ ہر شے — خدائے پاک کی تسبیح خواں ہے [3]

خان بہادر مولوی سیّد افتخار حسین مضطر خیرآبادی کے حمدیہ کلام پر مشتمل مجموعہ بہ عنوان ''نذرِ خدا'' ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا۔اس مجموعۂ کلام کے سرورق پر موجود تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذخیرۂ حمدِ الٰہی اُس کلام پر مشتمل ہے جو گزشتہ سات سال کی سالانہ محفلوں میں کہا گیا اور پڑھا گیا۔نمونے کے طور پر مضطر خیرآبادی کی ایک حمد سے چند اشعار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

تری ذات ہی ہے صفت تری، ترا وصف کوئی کرے گا کیا — جو قلم ملا تو لکھے گا کیا، جو زباں ملی تو کہے گا کیا
جسے تو بنا کے بگاڑ دے، کہیں جا کے پھر وہ بنے گا کیوں — جسے تو بسا کے اُجاڑ دے، کہیں جا کے پھر وہ بسے گا کیا
ترے عشق میں جو نہ مر سکے وہ جو یوں مرے بھی تو کیا مرے — تری راہ میں جو نہ مٹ سکا، کسی اور پر وہ مٹے گا کیا
[4]

ماضی قریب میں شائع ہونے والے حمدیہ شاعری کے مجموعوں میں مظفر وارثی کا مجموعہ ''الحمد'' قابلِ ذکر ہے۔ایک سو چار صفحات پر مشتمل اس مجموعے میں چالیس حمدیں، چودہ حمدیہ قطعات اور ایک مناجات شامل ہے۔زیرِ نظر مجموعے میں ڈاکٹر سیّد عبداللہ کا دیباچہ بہ عنوان ''تحقیق'' شامل ہے۔اس کے آغاز میں دیباچہ نگار نے لکھا ہے کہ:

''مظفر وارثی صاحب کے مجموعۂ حمد (الحمد) کو اپنی نوعیت کی منفرد عطا کہا جا سکتا ہے۔جہاں تک مجھے معلوم ہے آج تک فارسی یا اُردو کے کسی شاعر نے خالص حمد کے موضوع پر منظومات کا کوئی مجموعہ پیش نہیں کیا۔'' [5]

اُوپر راقم نے اُردو زبان میں موجود تین حمدیہ مجموعوں (مفتی غلام سرور لاہوری، محمد حسین تمنا مرادآبادی اور مضطر خیرآبادی) کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔مفتی غلام سرور لاہوری کے دیوان میں حمدیہ شاعری کا حصہ کچھ زیادہ نہیں، اسی طرح تمنا مرادآبادی کے دیوان میں فارسی کا خاصا کلام شامل ہے، البتہ مضطر خیرآبادی کا تین سو گیارہ (۳۱۱) صفحات پر مشتمل مجموعہ ''نذرِ خدا'' خالص حمد کے موضوع پر ہے۔ان مجموعوں

کی موجودگی میں جنابِ ڈاکٹر سیّد عبداللہ کا مُندرجۂ بالا بیان درست نہیں ہے، بلکہ مظفر وارثی کا اس سے پیش تر حمدیہ کلام پر مشتمل مجموعہ ''لاشریک'' ۱۹۸۰ء شائع ہو چکا تھا۔

اب ''الحمد'' میں شامل ایک حمد سے یہ شعر دیکھیے:

جو ملے حیاتِ خضر مجھے اور اُسے میں صَرفِ ثنا کروں — ترا شکر پھر بھی ادا نہ ہو، ترا شکر کیسے ادا کروں
ترے لطف کی کوئی حد نہیں، گنوں کس طرح کہ عدد نہیں — نہیں کوئی تیرے سوا مرا، کسے یاد تیرے سوا کروں
میں بہت ہی عاجز و بے نوا، ترے آگے میری بساط کیا — کوئی بھول ہو تو معاف کر، مجھے بخش دے جو خطا کروں ۶

بعض شعرا نے خالص حمد یا نعت کے مجموعوں کے بجائے حمد و نعت پر مشتمل مجموعے بھی مرتب کیے۔ ایک ایسا ہی مجموعہ ابوالامتیاز ع۔س مسلم کا بھی ہے۔ اس کا عنوان ہے ''حمد و نعت''۔ اس میں تیرہ (۱۳) حمد و مناجات ہیں۔ ابوالامتیاز ع۔س مسلم کے کلام میں عربی کے ساتھ ساتھ ہندی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ اُن کی ایک حمد سے یہ شعر دیکھیے:

اے مالک جگ کے رکھوالے، تجھ سے مرا سوال — تُو ظاہر، تُو باطن، تجھ پر رَوشن میرا حال
نیل گگن، یہ رنگ دھنک کے، پھولوں کی مہکار — رُوپ ہی رُوپ، تُو نور ہی نور ہے، تو ہی جل جلال
بجلی، بادل، برکھا، طوفاں، سب تیری آیات — بُرج، ستارے، سیّارے اور کیا آکاش کی چال
جھرنے، چشمے، پنکھ پکھیرو، گائیں تیرے گیت — کلیاں، بوٹے، غنچے، خوش بو، تیرا رنگ جمال ۷

سیّد اطہر حسین کا مجموعہ بہ عنوان ''ترانۂ حمد و نعت'' حمدیہ اور نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ اس میں شامل حمدوں کا انداز غزل کا سا ہے۔ مثال کے طور پر اُن کی ایک حمد سے یہ شعر دیکھیے:

یہ مصلحت تری، چاہا جسے نہال کیا — ترے کرم نے تو لاکھوں کو باکمال کیا
کمالِ نقش گری کو سمجھ سکا نہ کوئی — بنایا جو بھی مرقع، وہ بے مثال کیا ۸

ابرار کرت پوری کے حمدیہ کلام پر مشتمل تین مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اِن میں سے پہلے مجموعے کا نام ''خالقِ ذوالجلال'' ہے۔ یہ پینتیس (۳۵) حمدیہ منظومات پر مشتمل ہے۔ دُوسرا مجموعہ ''قسامِ ازل'' (مجموعۂ محامد) چھپن (۵۶) حمدیہ منظومات اور مناجات کے ساتھ ساتھ دس (۱۰) حمدیہ رباعیات پر مشتمل ہے۔ ابرار کرت پوری کے تیسرے مجموعے کا عنوان ہے ''وایاک نستعین''۔ یہ مجموعہ مناجات پر مشتمل ہے۔ ابرار کے مذکورہ تینوں مجموعوں سے نمونے کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

دُکھ اور راحت تیرے بس میں — عزت، ذلّت تیرے بس میں
راج، حکومت تیرے بس میں — اے رب قسمت تیرے بس میں
ہر شے پر ہے تیرا قبضہ
اللہ اللہ، سبحان اللہ ۹

یہ جہانِ حسن، یہ رنگ و بُو، تری شان جل جلالہٗ — سبھی تیرے جلوے ہیں کُو بہ کُو، تری شان جل جلالہٗ
تُو ہے بحرِ حکمت و آگہی، تری کائنات پہ ہے شہی — ہے بشر تو قطرۂ آب جُو، تری شان جل جلالہٗ ۱۰

تری ثنا کے حروف مہکیں، سماعتوں کو وقار دے دے — بصارتوں کو حسیں مناظر کے نور سے اعتبار دے دے

خدائے برتر قلم کو میرے وقار اور عظمتیں عطا کر تری محامد کروں مزین حروف وہ شاہکار دے دے ۱۱

ابراہیم اشک نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کو استعمال کرتے ہوئے دوہے اور رُباعیاں کہی ہیں۔ان کے اس طرح کے کلام کا مجموعہ ''اللہ ہی اللہ'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ یہاں بہ طورِ مثال ''القوی'' کے استعمال کی رُباعی ذیل میں درج کی جاتی ہے:

جتنی بھی ہے قوت وہ اُسی کے دم سے جتنی بھی ہے قدرت وہ اُسی کے دم سے
کم زور ہیں سب وہ ہی قوی ہے یارو جتنی بھی ہے طاقت وہ اُسی کے دم سے ۱۲

نثار جیراج پوری کے حمدیہ کلام پر مشتمل مجموعہ ''ثنا'' کے عنوان سے شائع ہوا۔اس میں اُنھوں نے مختلف اصنافِ سخن میں حمدیہ کلام پیش کیا ہے۔غزل کی ہیئت میں لکھی گئی حمدوں کے علاوہ پابند، آزاد اور معرا نظم کی ہیئت میں لکھی گئی حمدیں شامل ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ حمدیہ دوہے، حمدیہ ترائیلے، حمدیہ ہائیکو، سانٹ بھی اس کتاب کا حصہ ہیں۔آخر میں ''دُعا'' کے عنوان سے مناجات شاملِ کتاب ہیں۔

سب سے پہلے ''حمد وثنا'' کے عنوان سے جو کلام شامل ہے، وہ غزل کی ہیئت میں لکھا گیا ہے۔اگلے عنوان ''حمدیہ نظمیں'' کے تحت پابند، معرا اور آزاد نظمیں شامل ہیں۔تیسرا عنوان ''حمدیہ دوہے'' ہے۔جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، اس میں دوہے شامل ہیں۔اس کے بعد ''حمدیہ ترائیلے'' کے عنوان کے تحت ترائیلے شاملِ کتاب ہیں۔

نثار جیراج پوری کے حمدیہ کلام میں متعدد مقامات پر استفہامیہ انداز اِختیار کیا گیا ہے۔ ان کی ایک استفہامیہ انداز کی حمد سے یہ شعر دیکھیے:

پھول کو رنگت، ستاروں کو ضیا دیتا ہے کون زندگی کو روشنی، پانی، ہوا دیتا ہے کون
تتلیوں کو کون دیتا ہے سنہرے بال و پر جگنوؤں کو جگمگاتا قمقمہ دیتا ہے کون ۱۳

شاداب ذکی بدایونی کا اوّلین مجموعہ حمد ''لـلـہ الحمد'' کے نام سے شائع ہوا۔دُوسرا مجموعہ ''رب کے حضور'' اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں اُردُو کے چھتیس حروف کو ردیف بنا کر حمد و مناجات پیش کی ہیں۔اُردُو کی حمدیہ شاعری میں اس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ ''ٹ'' کو ردیف بنا کر لکھی گئی حمد سے یہ تین شعر دیکھیے:

نام خدا کا ہر دَم رَٹ تاکہ دُور رَہیں سنکٹ
رحمت تیری ہو جائے کام بنیں بگڑے جھٹ پٹ
تیری ہر تخلیق میں ہے تیرے جلووں کا جمگھٹ ۱۴

سیّد محمد نورالحسن نورنوابی عزیزی کا مجموعۂ حمد و مناجات بہ عنوان ''اِیّـاکَ نَعبُدُ وَ اِیّاکَ نَستَعِین'' کے نام سے شائع ہوا۔اس میں چھبیس (۲۶) حمدیں اور اُنیس (۱۹) مناجات شامل ہیں۔آخر میں متفرقات کے زیرِ عنوان رباعیات، قطعات اور ہائیکو بھی شاملِ کتاب ہیں۔ایک حمد سے نور کے کلام کا رنگ ملاحظہ کیجیے:

ہوا کو بادل بنانے والا مرا خدا ہے زمیں پہ سبزہ اُگانے والا مرا خدا ہے
ہے آبِ نیساں سے تشنگی کو بجھانے والا صدف میں گوہر بنانے والا مرا خدا ہے
کسی کی ہستی کہاں کہ پہچان پائے اُس کو خود اپنا عرفاں کرانے والا مرا خدا ہے ۱۵

راجا رشید محمود پہلے اُردُو شاعر ہیں جن کا کلیاتِ حمد رنگِ ادب پبلی کیشنز نے شائع کیا۔اُردُو میں حمدیہ ادب کو فروغ دینے والوں

میں ایک اہم نام طاہر سلطانی کا ہے۔ اُنھوں نے خود بھی اُردو کے حمدیہ ادب میں خوب صورت اضافے کیے ہیں۔ اُن کی حمدیہ شاعری کے دو مجموعے ''حمد میری بندگی'' اور ''حمدِ کردگار'' شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے حمدیہ و مناجاتی شاعری کے انتخاب بہ عنوان ''خزینۂ حمد''، ''اذانِ دیر'' اور ''انتخابِ مناجات'' بھی مرتب کیے۔

مولانا سیّد ابوالحسن ندوی کی ہم شیر محترمہ امۃ اللہ تسنیم نے اُردو میں حمدیہ کلام پر مشتمل مجموعہ بہ عنوان ''بابِ کرم'' ۱۹۵۴ء میں شائع کیا۔ مظفر وارثی کا مجموعہ ''الحمد'' ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔ اسی سال طفیل دارا کے حمدیہ کلام پر مشتمل مجموعہ ''لاشریک'' منظرِ عام پر آیا۔ ''صحیفۂ حمد'' کے نام سے لطیف اثر کا حمدیہ کلام ۱۹۸۸ء میں چھپا۔ حافظ لدھیانوی نے ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' کے عنوان سے حمدیہ مجموعہ ۱۹۹۰ء میں شائع کیا۔ کاوش زیدی کا مجموعہ ''بہ حضورِ حق تعالیٰ'' بھی اسی سال منصۂ شہود پر آیا۔ ''قلم سجدے'' کے نام سے لالہ صحرائی نے ۱۹۹۳ء میں حمدیہ شاعری پر مشتمل مجموعہ شائع کیا۔

مظفر وارثی کے مجموعے ''الحمد'' کے عنوان سے فرحت حسین خوش دِل نے بھی ۲۰۱۰ء میں مجموعہ شائع کیا۔ ''حمدِ باری'' کے نام سے دو بھارتی شاعروں (عبدالسمیع بیدل اور شیخ غلام محی الدین) کے حمدیہ مجموعے ملتے ہیں۔ الطاف احسانی کے حمدیہ مجموعے کا نام ''حمد و ثنا'' ہے۔ حشمت فضلی نے ''رب کے سب نام'' کے عنوان سے حمدوں پر مشتمل مجموعہ شائع کیا۔ طاہر سلطانی نے ۱۹۹۸ء میں ''خزینۂ حمد'' کے نام سے ۷۸۶ حمدوں پر مشتمل مجموعہ شائع کیا۔ بدرالقادری کے حمدیہ مجموعے کا عنوان ''الرحیل'' ہے۔ پروفیسر محمد علی اثر کے حمدیہ مجموعے کا نام ''اللہ جل جلالہٗ'' ہے۔ حفیظ الرحمٰن احسن نے ''موجِ سلسبیل'' اور مرزا شارق لاہرپوری نے ''اشکِ ندامت'' شائع کیا۔

حمد کے کچھ اور مجموعوں میں ''اللہ اکبر از گہر اعظمی (۱۹۹۸ء)، ''متاعِ صراط'' از عابدہ کرامت (۱۹۹۸ء)، ''الرحمٰن'' از جمیل عظیم آبادی (۲۰۰۰ء)، ''حمد میری بندگی'' از طاہر سلطانی (۲۰۰۰ء)، ''اللہ الصمد'' از نگار فاروقی (۲۰۰۱ء)، ''الحمد للہ'' از عزیز الدین خاکی (۲۰۰۲ء)، ''حمد و مناجات'' از منصور ملتانی (۲۰۰۲ء)، حمدیہ رباعیات از راغب مراد آبادی (۲۰۰۳ء)، ''الا ہُو'' از مشکور حسین یاد (۲۰۰۴ء)، ''ارمغانِ حمد'' از شاعر علی شاعر (۲۰۰۵ء) اور ''خدائے شہِ زمن'' از راجا رشید محمود (۲۰۰۸ء) شامل ہیں۔

بھارت میں ڈاکٹر محمد اظہار نے ۲۰۰۸ء میں ''اُردو میں حمد نگاری کی روایت'' کے موضوع پر مقالہ لکھا۔ اسی طرح سیّد یحییٰ نشیط کی ''اُردو میں حمد و مناجات'' بھی ایک اچھی کوشش ہے۔ یہ کتاب بھارت کے علاوہ پاکستان سے بھی شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں اُنھوں نے اُردو میں حمدیہ شاعری کی تاریخ و اِرتقا سے بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ اُردو کی متصوفانہ حمدیہ شاعری پر بھی ایک باب موجود ہے۔ آخری دو باب بالترتیب ''قرآن کا اثر اُردو کی حمدیہ شاعری پر'' اور ''اُردو کی مناجاتی شاعری'' ہیں۔

---

(۳)

اُردو میں حمدیہ شاعری کے آغاز و اِرتقا کے مختصر جائزے کے بعد ہم پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کے حمدیہ و نعتیہ کلام پر بات کریں گے اور اس مجموعے کی انفرادیت اور قدر و قیمت کا تعین کرنے کی کوشش کریں گے۔ قبلہ آسی رحمۃ اللہ علیہ کی حمد کو نعت سے الگ کر کے دیکھنا ممکن نہیں اور یہی اُن کی انفرادیت ہے۔ راقم کے علم کی حد تک کسی اور اُردو شاعر نے حمد و نعت کا یہ اُسلوب اختیار نہیں کیا۔ آسی رحمۃ اللہ علیہ اس انداز کے موجد بھی ہیں اور خاتم بھی۔

اِس ایمان افروز مجموعے میں شامل بعض حمد پاروں اور نعت پاروں کا مصرعِ اوّل حمد پر مشتمل ہے جب کہ مصرعِ ثانی نعت کا ہے۔ یوں حمد اور نعت کا یہ سلسلہ متوازی چلتا ہے۔ مثال کے طور پر اِس مجموعۂ کلام کی اوّلین حمد و نعت کے یہ اشعار ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں:

حمد اُس کی ، جو قدیم ہے اور کارساز ہے — نعت اُس کی ، جو کریم ہے ، بیکس نواز ہے
حمد اُس کی ، جو ہے ایک فقط واجب الوجود — نعت اُس کی، جس کی ذات ہوئی باعث شہود
حمد اُس کی ،جس کے حکم سے اِستادہ آسماں — نعت اُس کی، جس کا نور ہے قندیلِ لامکاں

بعض مقامات پر ایسا اُسلوب اپنایا گیا ہے کہ ہر مصرعے کا نصفِ اوّل حمد کا ہے جب کہ نصفِ آخر نعت کا۔ حمد ونعت پارے میں اس طرح کا اہتمام و اِلتزام برقرار رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے، لیکن آسی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت کامیابی اور چابک دستی سے اس طرح کے مشکل مرحلے بھی آسانی سے طے کر لیے ہیں۔ اِس طرح کے چند اشعار ذیل میں بہ طورِ نمونہ دِیے جاتے ہیں:

وہ اللہ ، یہ اس کا بندہ ، وہ بھی یکتا ، یہ بھی یکتا — وہ اِس کا ، یہ سب کا مولا ، وہ بھی یکتا ، یہ بھی یکتا
اُس کی ہر شے اِس کی خاطر،اس کا ہر فعل اُس کی خاطر — یہ اُس کا وہ اِس کا پیارا وہ بھی یکتا ، یہ بھی یکتا
وہ خالق ہے کون و مکاں کا ، یہ باعث تخلیق جہاں کا — وہ صانع ، یہ گویا منشا ، وہ بھی یکتا ، یہ بھی یکتا
اِس کی محبت اُس کی محبت، اِس کی اِطاعت اُس کی اطاعت — جو اِس کا وہ اُس کا بندہ، یہ بھی یکتا، وہ بھی یکتا

بعض حمد ونعت میں ایک شعر حمد کا اور اُس کے بعد نعت کا شعر ہے۔

خلاق کائنات ہے اللہ وَحْدَہٗ — یکتا صفات ذات ہے اللہ وَحْدَہٗ
مقصودِ کائنات ہے محبوب عَبْدُہٗ — شمع حریم ذات ہے محبوب عَبْدُہٗ

پروفیسر آسؔی کے ایک حمد ونعت پارے کی ردیف ''وہ بھی ہے اور یہ بھی'' ہے۔ اس فن پارے میں شاعر نے کمال مہارت سے اللہ تعالیٰ اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کائنات پر احسانات گنوائے ہیں۔

ضیا بخشندۂ ارض و سما ، وہ بھی ہے اور یہ بھی — یہ احمد ، وہ اَحَد جلوہ نما وہ بھی ہے اور یہ بھی
وہ ہے اللہ اکبر ، یہ ہیں اس کے نائب اکبر — کریم الوصف ، شایانِ ثنا وہ بھی ہے اور یہ بھی
وہ ربّ العٰلمیں ، یہ رحمۃً للعٰلمیں ، یعنی — دو عالم کایقیناً آسرا وہ بھی ہے اور یہ بھی
رضا اُس کی، رضا اِس کی، رضا اِس کی، رضا اُس کی — مرا مقصود ، میرا مدعا وہ بھی ہے اور یہ بھی

اس مجموعے میں شامل بعض حمد ونعت میں ہر شعر الگ قافیے اور ردیف کا حامل ہے، جب کہ بعض حمدیں اور نعتیں ایسی بھی ہیں جن میں غزل کی طرح ایک ہی قافیہ و ردیف رردیف ملتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک حمد ونعت سے یہ اقتباس دیکھا جا سکتا ہے:

حمد اُس کی ، جو ہے خالقِ دنیائے خشک و تر — نعت اس کی ، جس کو حق نے کیا شاہ بحر و بر
حمد اُس کی ، ہے دلیل سحر جس کے نور کی — نعت اُس کی ، جس کے نور سے پیدا ہوئی سحر
حمد اُس کی ، جس کی حمد کی کوئی بھی حد نہیں — نعت اُس کی ، جس کی نعت تصور سے بالاتر

پروفیسر آسؔی رحمۃ اللہ علیہ بے باکی اور حق گوئی میں اپنی مثال آپ تھے۔ اللہ اور اُس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات پر غیر متزلزل ایمان کی یہ دولت اُن کے پائے اِستقامت میں کبھی کوئی لغزشِ خفیف بھی نہ آسکی۔ کوئی خوف یا کوئی تحریص وترغیب اُنھیں حق بات کے اِظہار سے نہیں روک سکتی تھی۔ وہ عمر بھر باطل قوتوں کو للکارتے رہے۔ اس سلسلے میں مشرف کے مارشل لائی دور میں لکھے گئے ماہنامہ ''الحقیقہ'' کے اِداریے دیکھے جا سکتے ہیں۔ جہاں اُن کے قلم میں دریا کی سی روانی تھی، وہیں اس میں تلوار کی سی کاٹ بھی تھی۔ بعض حمد ونعت میں پہلے شعر کے بعد وہ مسلمانوں کی تاریخ عزم وشجاعت کا بیان کرنے لگتے ہیں۔ اُن کا ایسا کلام قاری کا لہو گرماتا ہے اور وہ اِسلام کی خاطر ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ ایک ایسے ہی حمد ونعت پارے سے یہ اشعار پیش کیے جا رہے ہیں:

خدا کے نام پر سب کچھ لٹانا ہم کو آتا ہے — نبی کی آبرو پہ سر کٹانا ہم کو آتا ہے
دہل جائیں زمین و آسماں بھی جس کی ہیبت سے — اسی بار امانت کو اٹھانا ہم کو آتا ہے
ہماری داستاں پڑھ لو! تمھیں معلوم ہو جائے — کفن باندھے ہوئے مقتل کو جانا ہم کو آتا ہے
ڈرا سکتی نہیں شورش ہمیں فرعون وہاماں کی — کہ ہر باطل سے پنجہ آزمانا ہم کو آتا ہے
ستم کیشوں سے کہہ دو، واجپائی ہو، کلنٹن ہو — ہمیں ڈرنا نہیں آتا، ڈرانا ہم کو آتا ہے

خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عطاؤں کا کوئی شمار نہیں۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی عنایاتِ کریمانہ بے پایاں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے احسانات کی کوئی حدّ ہے نہ حساب۔ عطاؤں، عنایات اور احسانات کا یہ سلسلہ چودہ سو سال سے جاری ہے اور آنے والے زمانوں میں بھی جاری رہے گا۔ بعض حضرات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اس ''شانِ عطا'' پر معترض ہوتے ہیں کہ اُن کے نزدیک عطا کرنے والی ذات صرف خالقِ کائنات کی ہے۔ ایسے معترضین کے جواب میں آسیؔ مرحوم ومغفور عقیدے کی وضاحت کرتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والثنا کے کمالات ذاتی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے ہیں۔ یوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شان کا انکار خود اللہ تعالیٰ کی عطا کا انکار ہے۔ ذیل کے شعر میں یہی نکتہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں نہایت خوبی سے حمد اور نعت کو یک جا کر دِیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں:

اللہ کی عطا کا تو انکار مت کرو!
سرکار کی جو شان ہے، بیشک عطائی ہے

پروفیسر آسیؔ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں عصری حسیت بھی موجود ہے۔ اُنھوں نے اپنے گرد وپیش کے مسائل سے آنکھیں بند نہیں کیں، بلکہ اُمتِ مسلمہ کو درپیش مشکلات کا احوال بھی اپنے شعروں میں سمو دِیا ہے۔ اہلِ کشمیر طویل عرصے سے وادیِ جنت نظیر پر ہندوؤں کے غاصبانہ تسلط کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیے ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی گل پوش وادی کی آزادی کے لیے ہر طرح کی قربانی دی ہے۔ بھارتی درندوں نے ہزاروں کشمیری ماؤں اور بہنوں کی عصمتیں تار تار کی ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں کشمیری نوجوانوں نے اپنی جانیں آزادی کے حصول کی خاطر قربان کی ہیں۔ مظلوم اہلِ کشمیر کی ہر طرح سے مدد کرنا دُنیا کے مسلمانوں پر فرض ہے۔ ایک حدیثِ پاک کے مطابق مسلمان جسمِ واحد کی مانند ہیں، اگر جسم کے ایک حصے میں درد ہو تو پورا جسم اِس درد کو محسوس کرتا ہے۔ ہمیں کشمیریوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کا احساس کرتے ہوئے اُن کی مدد کرنی ہوگی۔ ذیل کے اس شعر میں آسیؔ صاحب نے یہی پیغام دِیا ہے:

کشمیر کو چل فوراً نذرانۂ جاں لے کر
اُٹھ عشق وفا پیشہ! اللہ نبی وارث

مسلمان قوم کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر آسیؔ صاحب پریشان ہو جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر وہ مناجاتی اُسلوب اپناتے ہیں۔ وہ آقائے کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اُمت کا حالِ زار سناتے ہیں۔ مسلم قوم کو ذلت ورُسوائی کی گھاٹیوں سے نکال کر ماضی کی شان وشوکت سے بہرہ ور کرنے کے لیے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں استغاثہ پیش کرتے ہیں:

حضور آج بھی بارانِ لطف ہو جائے
حضور آج بھی چشمِ زمانہ پُرنم ہے
حضور آج بھی اکرام کی ضرورت ہے
مزاجِ دہر حضور آج بھی تو برہم ہے

آج انسان نے سائنسی لحاظ سے حیرت انگیز ترقی کر لی ہے۔ اُس نے بہ ظاہر ناممکن کو بھی ممکن بنا دیا ہے۔ اُس نے مادّی آسائشوں میں بے پناہ اضافہ کر لیا ہے۔ ظاہری چکا چوند ہے کہ آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی ہے۔ یہ تصویر کا ایک رُخ ہے۔ دُوسرا رُخ نہایت بھیانک ہے۔ ماحول کو بقعۂ نور بنانے والے کے دل کی دُنیا میں تاحدِّ نظر اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ انسان اخلاقی طور پر دیوالیہ پن کا شکار ہے۔ معاشرتی قدروں کا جنازہ نکل چکا ہے۔ بے راہ روی اپنی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ انسانیت سسک رہی ہے۔ اس اخلاقی زوال اور کرداری انحطاط کو ختم کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے نظرِ کرم۔ چناں چہ قبلہ آسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے نظرِ کرم کی التجا کی ہے:

انسانیت ہے جاں بلب اے مرے کریم
اس کا علاج نظر کرم کے سوا نہیں

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا　　　کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس بات کا شدید دُکھ تھا کہ قوم احساس سے عاری ہوتی جا رہی ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے، ایک دفعہ آسی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ایک شعر سنایا تھا۔ اب یہ معلوم نہیں کہ یہ شعر اُن کا اپنا ہے یا کسی اور کا۔ شعر سنیے:

اپنی بربادی پہ دِل کھول کے رونے والے　　　جا تجھے دولتِ احساس دِلا دی ہم نے

اُن کی خواہش تھی کہ قومِ مسلم کو اپنی متاع کے لٹنے کا احساس ہو جائے اور وہ سدھار کی طرف مائل ہو جائے۔ وہ قوم کا قبلہ درست کرنا چاہتے تھے۔ جب سے قوم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تعلیماتِ حیات بخش سے رُوگردانی کرتے ہوئے غیروں کی کاسہ لیسی شروع کی ہے؛ جب سے قوم اپنے مرکز ومحور سے منحرف ہو کر مغربی طاقتوں کی غلام بن گئی ہے؛ جب سے قوم اپنے پیغامِ اصلی کو پسِ پشت ڈال کر دُشمنوں کے دیے ہوئے سبق یاد کرنے لگی ہے؛ جب سے قوم نے حبل اللہ کا مضبوط سہارا چھوڑ کر طاغوتی طاقتوں پر تکیہ کیا ہے، ہر آنے والا دِن اُن کے نکبت و اِدبار میں اضافہ کیے جا رہا ہے۔ ستم کی بات یہ ہے کہ سب کچھ گنوانے کے بعد بھی قوم کو اس بات کا احساس و اِدراک نہیں ہے۔ اس بات کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے آسی صاحب نے فرمایا ہے:

ان کا در چھوڑ کے کیا کیا نہ مصیبت آئی　　　پھر بھی احساس نہیں آہ مصیبت یہ ہے
وہ مسلمان جو افلاک کا حاکم تھا کبھی　　　اب ہے اغیار کا محکوم ، قیامت یہ ہے
جس کی تدبیر تھی تقدیر خدا کی نائب　　　وہی تقدیر کا شاکی ہے شکایت یہ ہے

پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کی حمد ونعت میں احساسِ زیاں سے محرومی کا ذکر کئی اور مقامات پر بھی ملتا ہے۔ مثال کے طور پر ذیل کے شعر میں بھی اُنھوں نے اس بات پر دُکھ کا اظہار کیا ہے کہ مسلمانوں کو حالات کی نزاکت کا قطعی طور پر احساس نہیں ہے:

محروم مری قوم ہے احساسِ زیاں سے
مدہوش کو کیا ، وقت اگر ہوش رُبا ہے

پروفیسر آسی صاحب نے بہت آسان لفظوں میں پتے کی باتیں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ قرآنِ حکیم میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

یعنی اے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام! آپ (اہلِ ایمان سے) فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

دیکھیے یہی بات کس عمدگی کے ساتھ بتائی گئی ہے:

تم اُن کی مانتے جاؤ جہاں میں　　تمھاری ماننا جائے خدا بھی

قبلہ آسی رحمۃ اللہ علیہ کو تمام عمر ملتِ اسلامیہ کی بدحالی کا غم کھاتا رہا۔ وہ عالمِ اسلام کو درپیش مسائل پر ہمہ وقت کڑھتے رہتے۔ اُن کی خواہش تھی کہ کفر نیست و نابود ہو اور دُنیا میں اسلام کا غلبہ ہو۔ جب وہ دیکھتے کہ مسلمان دُنیا فرقوں میں بٹی ہوئی ہے اور اغیار کی حاشیہ برداری اُن کی رَوِش ہے تو اُنھیں ناقابلِ بیان تکلیف ہوتی۔ اس سے بھی زیادہ تکلیف اُنھیں اُس وقت ہوتی جب وہ دیکھتے کہ مسلمان ممالک کو اپنی موجودہ پستی اور مستقبل میں ہونے والی مزید تباہی کا احساس تک نہیں۔

آسی رحمۃ اللہ علیہ نگاہِ دُوربیں کے مالک تھے۔ وہ حالات کا تجزیہ کر رہے تھے۔ اسلام دُشمن طاقتوں نے چاروں طرف مکاری اور عیاری کے دام پھیلا رکھے تھے اور مسلمان سادہ لوحی کے ساتھ اُن کے دام میں گرفتار ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اُنھیں انتہائی دُکھ ہے کہ ہر طرف سے طوفانوں میں گھری ہوئی، احساس سے عاری قوم خوابِ خرگوش کے مزے لے رہی ہے۔

اب ملتِ اسلام مسائل میں گھری ہے　　گردابِ حوادث سے یہ دل ڈوب رہا ہے
ہے یورش ظلمات بپا چاروں طرف سے　　جس سمت نظر اٹھتی ہے طوفانِ بلا ہے
مکار ہے بیدار ہے اسلام کا دشمن　　اسلام کا فرزند ابھی سویا ہوا ہے

قرآنِ حکیم میں اللہ کریم نے مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امتِ مسلمہ باہمی منافرتوں کا شکار ہو کر اپنی طاقت ضائع کر رہی ہے۔ شاعرِ مشرق بھی مسلمان قوم کو اتحاد و اتفاق کا درس دیتے رہے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمان تفرقات میں پڑ کر طاغوتی قوتوں کے لیے لقمۂ تر بنے ہوئے ہیں۔ نہتے فلسطینیوں کا حال ہمارے سامنے ہے؛ چیچنیا اور بوسینیا کے مناظر بھی سب نے دیکھے ہیں؛ اتحادی افواج نے عراق کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور مسلمان خاموشی سے اپنی تباہی کا تماشا دیکھتے رہے؛ نائن الیون کے بعد افغانستان کا جو حشر ہوا، وہ کون بھول سکتا ہے؛ میانمار میں جس طرح مسلمانوں کی نسل کشی کی گئی، وہ مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی تھا۔ مسلمان پھر بھی گروہوں میں بٹے رہے، جب کہ دُنیا بھر کے غیر مسلم ''الکفر ملة واحدة'' کی عملی تصویر ہیں۔ قبلہ آسی صاحب نے اسی صورتِ حال کی عکاسی ان شعروں میں کی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ وہ اس صورتِ حال سے پریشان تو ضرور ہیں لیکن نااُمید اور مایوس نہیں ہیں۔

مالک روزِ جزا ، اے شافعِ روزِ جزا　　اب تو دنیا میں بھی محشر سا بپا ہے ہر طرف
وقت شاید منتظر ہے پھر کسی شبیر کا　　ہاں پس پردہ کوئی کرب و بلا ہے ہر طرف
ہم نہیں ہیں اپنے رب کی رحمتوں سے ناامید　　گو افق پہ یاس کی کالی گھٹا ہے ہر طرف

غالبؔ کی مشہور غزل کا مطلع ہے:

بسکہ دُشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا　　آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

قبلہ آسی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورۂ بالا غزل کی زمین میں حمد و نعت پارہ کہا ہے اور خوب کہا ہے:

ہے میسر اُسی انسان کو انساں ہونا　　جس کو آتا ہے درِ یار پہ قرباں ہونا
زندگی کیا ہے؟ نثار رہِ جاناں ہونا　　خواجگی اصل میں ہے بندۂ رحماں ہونا
مٹ جا، مٹ جا، رہِ توحید میں اے بندہ عشق　　یونہی ممکن ہے ترے درد کا درماں ہونا

آسی رحمۃ اللہ علیہ طویل و مختصر بحروں میں لکھنے پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ اُن کے مختصر بحروں میں لکھے گئے کلام کی چند مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں:

اللہ یکتا ، سرکار یکتا تخلیق یکتا ، شہکار یکتا
وہ سب کا خالق ، یہ سب کا مالک معبود یکتا ، مختار یکتا
وہ وحدہ ہے ، یہ عبدہ ہے دونوں کا باہم ہے پیار یکتا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم قرآن کی عملی تفسیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں جو حکم دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُس پر عمل کر کے دُنیا والوں کے لیے نمونہ پیش کر دیا۔ آپ کی حیاتِ طیبہ کو سمجھے بغیر قرآن فہمی ممکن نہیں۔ بعض عقل کے غلام انکارِ حدیث تک کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے آسی صاحب کا کہنا ہے کہ:

نبی جب تک نہ سمجھائے نبی جب تک نہ سکھلائے
کوئی اللہ کے قرآن کو جانے تو کیا جانے

زیرِ نظر مجموعے کے مرتب نے ایسا کلام بھی حمد و نعت کے عنوان کے تحت دیا ہے جو نعت پر مشتمل ہے۔ مثال کے طور پر یہ نعت دیکھی جا سکتی ہے:

سب کچھ مرا حضور ہیں میرے خدا کے بعد مقصد ، مراد ، مدعا ، ارماں حضور ہیں
اک دور تک نہیں ہیں نبی کی نوازشیں حق ہے تو یہ کہ سرور دوراں حضور ہیں
حکمت حضور کی ہے حکومت حضور کی حاکم ، حکیم ، محکم ، حکم ہاں حضور ہیں

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ آسی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نعتِ رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی حمدِ باری تعالیٰ کی ایک صورت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کمالات و احسانات کا ذکر دراصل اللہ تعالیٰ کی عنایات کا ذکر ہے۔ جب کوئی فرد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رفعتِ شان کا بیان کرتا ہے تو گویا وہ در پردہ اُس ذات کی حمد و توصیف بھی بیان کر رہا ہوتا ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اِس علوِ مرتبت سے نوازا ہے۔

نہ سمجھے کوئی کم نظر تو ہمیں کیا کہ ہے نعت بھی نعت ، حمدِ خدا بھی

تکرارِ لفظی سے کلام میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ ذیل میں پروفیسر محمد حسین آسی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فن پارے سے یہ اشعار دیکھیے۔ ان کے ہر مصرعے میں تکرارِ لفظی سے کام لیا گیا ہے۔

عشق اور عشق بھی سرکار کا ماشاء اللہ شوق اور شوق بھی دیدار کا ، ماشاء اللہ
راہ اور راہ بھی طیبہ کی ارے کیا کہنے عزم اور عزم بھی دربار کا ، ماشاء اللہ
کام کس کس کا نہ ہو اور نہ کس کس حد تک جود اور جود بھی مختار کا ، ماشاء اللہ
کیوں نہ تصدیق کرے خاک کا ذرہ ذرہ لطف اور لطف بھی گفتار کا ، ماشاء اللہ

پروفیسر آسی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض مقامات پر استفہامیہ اُسلوب سے بھی کام لیا ہے۔ وہ سوال کرتے ہیں اور پھر اُس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر مُندرجۂ ذیل شعر میں استفہامیہ انداز دیکھا جا سکتا ہے:

بشر کو معرفت ذات کس نے بخشی ہے

اُسی کریم نے جو رحمتِ مجسم ہے

ایک اور مقام پر استفہامیہ انداز کی مثال دیکھیے :

میں کون ؟ حضور آپ کا ادنیٰ سا بھکاری
اور آپ مرا دیں ، مرا ایماں ، مرا سب کچھ

قبلہ آسی رحمۃ اللہ علیہ سچے عاشقِ رسول تھے۔ میں نے شخصی خاکوں کی کتاب '' قافلے اُجالوں کے '' میں آسی رحمۃ اللہ علیہ کا خاکہ لکھا ہے۔ یہاں مذکورہ خاکے کی تمہیدی سطور نقل کر رہا ہوں:

'' اگر مجھے یہ کہا جائے کہ صرف ایک لفظ میں پروفیسر محمد حسین آسی کی زندگی کا نقشہ کھینچوں تو میں بلا تأمل کہوں گا 'عشق'۔ آپ عشق کی تجسیم تھے۔ اللہ تعالیٰ سے عشق، اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذاتِ گرامی سے عشق، اپنے شیخ کریم سے عشق، پاکستان سے عشق، نظریۂ پاکستان سے عشق، علامہ محمد اقبال سے عشق۔ آپ کی زندگی انھی عشقوں سے عبارت تھی۔ ''

عشق رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلّم کے اِس پیکر نے تمام عمر مذکورہ عشقوں کا پرچار کیا۔ اُن کی محبت اور نفرت کا مدار بھی اللہ اور اُس کے رسول سے عشق پر تھا۔ اگر کسی شخص کو نبیِ کریم کی ذات سب عزیزوں سے زیادہ عزیز نہیں ہے تو اُس کے سب اعمال غارت جائیں گے۔ نیچے دِیے گئے شعر میں آسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی نکتہ سمجھایا ہے:

ان سے نہیں ہے پیار تو مردود ہر عمل
توحید بھی ، جہاد بھی ، ایماں بھی ، دین بھی

آسان الفاظ میں چھوٹی بحروں میں جامعیت کو ہاتھ سے نہ جانے دینا آسی رحمۃ اللہ علیہ پر ختم تھا۔ مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھیے۔ ان میں بلا کی روانی اور غضب کا ترنم ہے۔ انھیں یاد کرنا بھی بہت آسان ہے:

رب نے بنائی نعت کیا کیا   لائے آقا رحمت کیا کیا
شام و سحر میں ، شجر و حجر میں   ہیں آثارِ قدرت کیا کیا
بے رنگی میں یک رنگی ہے   کثرت میں ہے وحدت کیا کیا

اسی طرح مختصر بحر پر مشتمل یہ اشعار دیکھیے۔ ان کی روانی بھی بہ طورِ خاص متاثر کرتی ہے۔

سرکار آئے الحمد للہ   قرآن لائے الحمد للہ
فضل مجسم سلطان عالم   تشریف لائے الحمد للہ
رحمت ہے واری مخلوق ساری   قربان جائے الحمد للہ
جنگل میں منگل رحمت کے بادل   ہر سمت چھائے الحمد للہ

مختصر بحروں سے عمدگی سے کام لینے کی ایک مثال اور دیکھیے :

حمد کس کی خالق کونین کی   نعت کس کی سرورِ دارین کی
حمد اس کی جو ہے اللہ الصمد   نعت جس کی شان ہے بے حد و عد

یوں تو اِس مجموعے میں شامل ہر حمد و نعت میں روانی پائی جاتی ہے، مگر بعض حمد و نعت پارے اس خصوصیت میں دیگر سے بڑھ کر ہیں۔ رواں اور مترنم بحروں کے انتخاب سے نغمگی کا تأثر دوچند ہو گیا ہے۔ نغمگی میں اضافہ کرنے کے لیے نرم و ملائم الفاظ کا چناؤ بھی اہمیت

کا حامل ہے۔ ثقیل اور بوجھل الفاظ کی جگہ لطیف اور سبک الفاظ کے استعمال سے کلام میں روانی اور موسیقی کا عنصر بڑھ گیا ہے:

کسے نعت کا ہو یارا ، ہو ثنا کا کس میں دم خم — وہ خرد سے ماورا ہے یہاں عقل و ہوش مبہم
جو خدا سے مانگنا ہے تو نبی کا عشق مانگو — جو نبی سے مانگنا ہے تو رضائے ربّ اکرم !

''حمد ونعت'' کے آخر میں ایسا کلام شامل ہے جس میں دائیں طرف حمدِ باری تعالیٰ ہے تو بائیں طرف نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہے۔ جس بحر میں حمد ہے، اُسی میں نعت ہے۔ پھر دونوں کے قافیہ وردیف/ردیف بھی یکساں ہیں۔ ایک جیسے ردیف وقافیے کے ساتھ حمد ونعت کہنا آسان کام نہیں۔ یہ شاعر کی فنی دست گاہ اور قادرالکلامی کی دلیل ہے۔ ایسے کلام سے ایک اقتباس ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

حمد	نعت
تو ربّ کائنات ہے ، خلّاق کائنات	تو اصلِ کائنات ہے تو جانِ کائنات
جس کا نہیں شریک وہ ہے ایک تیری ذات	ذاتِ خدا کی مظہرِ یکتا ہے تیری ذات
امکان گویا تیرے ارادے کا ہے ظہور	جس کا ہوا ہے، تیرے کرم سے ہوا ہے کام
نا ممکنات تیرے کرم سے ہیں ممکنات	جس کی بنی ہے تیری نظر سے بنی ہے بات
تجھ سے اگر ہے دور تو ہے زندگی بھی مرگ !	تجھ سے بڑا خدا کی قسم جُز خدا نہیں
حاصل ہو تیرا قرب تو پھر موت بھی حیات	دُنیا کی عظمتیں تری سرکار کی زکات

اسی طرح کی حمد ونعت سے ایک اور مثال دیکھیے:

حمد	نعت
ہر شان میں یکتا ہے جو ذیشان وہی ہے	وہ ہیں مرا ایماں ، مرا ایمان یہی ہے
اللہ وہی ، ارحم و رحمٰن وہی ہے	قرآن ہیں وہ ، حاصلِ قرآن یہی ہے
بے اس کے دِیے دے نہ سکے کوئی بھی کچھ بھی	بے عشقِ نبی دہر میں کچھ چاہوں نہ پاؤں
ہاں مالکِ ہر محسن و احسان وہی ہے	ارمان وہی ہوں ، مرا ارمان یہی ہے
وابستہ ہے تسکین فقط ذکرِ خدا سے	پہچانا انہیں ، ہو گئی پہچان خدا کی
جو ذکر سے غافل ہے پریشان وہی ہے	پہچان گیا ، اصل میں پہچان یہی ہے

مختصر بحر میں لکھی گئی اسی طرح کی حمد ونعت کی ایک اور مثال پیش کی جاتی ہے:

حمد	نعت
رب اللہ تعالیٰ ہے	کیا ہی مقدّر والا ہے
سب کا پالنے والا ہے	جو ان کا متوالا ہے
اس کا نام ہی اونچا ہے	نام نبی پہ میں قرباں
اس کا بول ہی بالا ہے	دو جگ کا اجیالا ہے
یا رب نفس ہے پھر درپے	میں ہوں کملی والے کا
اب تُو ہی رکھوالا ہے	میرا کملی والا ہے

آخر میں، میں پوری ذمہ داری سے، کہنا چاہتا ہوں کہ اُستاذی پروفیسر محمد حسین آسؔی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مجموعۂ حمد ونعت اُردُو کے حمدیہ ونعتیہ ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ثابت ہوگا۔ مستقبل میں اُردُو حمد ونعت پر کام کرنے والوں کے لیے اس مجموعے سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ اللہ کریم کے حضور دُعا ہے کہ وہ اپنے حبیبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے تصدق سے قبلہ آسؔی مرحوم ومغفور کے درجات بلند فرمائے۔

اِس مجموعے کے مرتب جناب ممنون حسین آسوی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اُنھوں نے قبلہ آسؔی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو ترتیب دے کر عاشقانِ حمد ونعت تک اس مجموعے کی رسائی کا سامان بہم پہنچایا۔ ممنون صاحب کے پاس پروفیسر صاحب کی مزید غیر مطبوعہ اور غیر مدون تحاریر بھی موجود ہیں۔ میری خواہش ہے کہ وہ اُنھیں بھی جلد سے جلد شائع کر کے علم وادب کے شائقین پر احسان فرمائیں۔ قبلہ آسؔی رحمۃ اللہ علیہ نہایت خوش خط تھے۔ اگر اُن کی بعض منظوم تحریروں کا عکس شائع کر دیا جائے تو اس سے جہاں کمپوزنگ کے اخراجات اور وقت میں بچت ہوگی، وہیں قارئین کو آسؔی صاحب کے سوادِ خط سے آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے کا موقع بھی ملے گا۔ اس سے کلام کا پایۂ استناد بھی بڑھ جائے گا کہ کسی طرح کی کتابت کی غلطی کا امکان نہیں رہے گا۔

حوالہ جات

۱ محمد ولی اللہ: خاتمے کی عبارت مشمولہ ''نشیدِ ایمان'' از محمد حسین تمنا مرادآبادی، مطبع گلزارِ احمدی، مرادآباد ۱۳۰۹ھ ص۱۱۲

۲ مفتی غلام سرور لاہوری: ''دیوانِ حمدِ ایزدی'' مطبع منشی نول کشور، کان پور ۱۹۰۹ء/۱۳۲۷ھ ص۶

۳ محمد حسین تمنا مرادآبادی: ''نشیدِ ایمان'' مطبع گلزارِ احمدی، مرادآباد ۱۳۰۹ھ ص۹۴

۴ مولوی سیّد افتخار حسین مضطر خیرآبادی: ''نذرِ خدا'' مطبع خاص احمد خان صوفی (مرحوم) ۱۹۱۳ء/۱۳۳۱ھ ص۱۲

۵ ڈاکٹر سیّد عبداللہ: ''تحقیق'' مشمولہ ''الحمد'' از مظفر وارثی، ماورا پبلشرز، لاہور پہلا ایڈیشن فروری ۱۹۸۴ء ص۷

۶ مظفر وارثی: ''الحمد'' ماورا پبلشرز، لاہور پہلا ایڈیشن فروری ۱۹۸۴ء ص۶۲

۷ ابوالامتیاز ع۔س مسلم: حمد ونعت مقبول اکیڈمی، لاہو نومبر ۱۹۸۴ء ص ۶۳۔۶۴

۸ سیّد اطہر حسین: ترانۂ حمد ونعت نامی پریس لکھنؤ ۱۹۸۲ء ص۴۵

۹ ابرار کرت پوری: خالقِ ذوالجلال اعلیٰ پرنٹنگ پریس بلّی ماراں، دہلی ۱۹۹۴ء ص۹۶

۱۰ ابرار کرت پوری: قسّامِ اَزَل ناشر: حمد ونعت اکیڈمی، قدسیہ منزل، ۶/۲/۱۷ ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۰۰۴ء ص۵۵

۱۱ ابرار کرت پوری: وایاک نستعین مرکزِ علم ودانش، قدسیہ منزل، ۶/۲/۱۷ ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۰۱۳ء ص۹۰۔۹۱

۱۲ ابراہیم اشک: اللہ ہی اللہ شعری اکادمی، بھوپال ۲۰۱۰ء ص ۵۷

۱۳ نثار جیراج پوری: ثنا ۶۷۔ جالندھری، اعظم گڑھ پہلی بار جولائی ۲۰۰۵ء ص۲۵۔۲۶

۱۳ نثار جیراج پوری: ثنا ۶۷۔ جالندھری، اعظم گڑھ پہلی بار جولائی ۲۰۰۵ء ص۲۵۔۲۶

۱۴ شاداب ذکی بدایونی: رب کے حضور ذکی منزل، محلّہ سوتھا، جمی چوک، بدایوں (یوپی) اکتوبر ۲۰۱۰ء/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ص۵۲

۱۵ سیّد محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی: ''اِیَّاکَ نَعبُدُ وَ اِیَّاکَ نَستَعِین'' ناشر: شمائلہ صدف عزیزی، گلی نمبر ۲، عقب مسجد المقدس، دست گیر کالونی، منصور آباد، فیصل آباد اکتوبر ۲۰۱۹ء ص۶۷۔۶۸

۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۴۲ ہجری/ ۳۰۔ اکتوبر ۲۰۲۰ء۔ **ڈاکٹر محمود احمد کاوش** پرنسپل قائدِ اعظم اکیڈمی فار ایجوکیشنل ڈویلپمنٹ (حکومتِ پنجاب)، نارووال

ایک سفر، جو حاصل حیات بن گیا

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تمہاری عمر کتنی ہے؟ تو میں بے تکلف کہہ دوں گا "صرف دس دن" پوچھنے اور میرا سراپا دیکھنے والے کو یقیناً حیرت ہوگی کہ یہ کیا؟ میں اس کی حیرت بھانپ کر وضاحت کروں گا کہ دس دن کا مطلب یہ ہے کہ ۲۱ نومبر ۹۵ء سے ۳۰ نومبر ۹۵ء کے وہ شب و روز میرے حاصل حیات ہیں جو میں نے خانۂ خدا کے صحن اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سائے میں بسر کئے ہیں، باقی کے ایام عمر بس کٹ گئے ہیں جن کا حساب رکھنا میں ضروری نہیں سمجھتا، عمر عزیز کے چالیس سال کچھ بچپن کی نذر ہوئے، کچھ لڑکپن میں صرف ہوئے، کچھ عنفوان شباب میں کھپ گئے، کچھ کالے حروف میں بسر ہوئے، کچھ باتیں کرنے میں ضائع ہوئے، کچھ قلم چلانے میں استعمال ہوئے، کچھ حصول رزق کا حصہ بنے، کچھ نیند نے اچک لئے، کچھ سفر نے ضائع کر دیئے، کچھ غم دوراں نے ہڑپ لئے، اور کچھ غم جاناں نے کشید کر لئے، لے دے کے یہی دس روز ہیں جن کی مہک روح میں رچی ہوئی، اور جن کی چمک آنکھوں میں سجی ہوئی ہے، جن کی یاد سے دل بہلاتا اور جن کے تصور سے لطف اٹھاتا ہوں۔

آنکھوں میں کیا خواب سجا کر سرزمین مکہ پر پہلا قدم رکھا اور سینے میں کیا جذبات چھپا کر شہر مدینہ کی خاک بوسی کی، نہ وہ خواب نوک زبان پر آسکتے ہیں اور نہ وہ جذبات نوک قلم پر! شہر مکہ! جس کے سینے پر خدا کا پہلا گھر ایستادہ ہے، جس گھر کا گارا ذبیح اللہ علیہ السلام نے اٹھایا اور جس کی اینٹیں خلیل اللہ علیہ السلام نے لگائیں، یہ شہر کئی انبیاء کا مسکن، مرقد اور مدفن ہے، اس شہر کے کوچہ و بازار کو رحمت کے فرشتے اپنے پروں سے ڈھانپے رکھتے ہیں، اسی شہر کے نواح میں وہ جبل رحمت ہے جہاں آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی، اس کے پہلو میں جبل نور ہے جہاں غار حرا ہے جس پر ہدایت کی ندا اتری، اسی شہر کے عین قلب میں راحت قلب و جاں، سید و سرور کون و مکاں، سرچشمۂ عشق و ایماں، رمز کن فکاں، سیاح لامکاں، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنم لیا، اور مکہ کے ہر ذرۂ خاک کو رشک افلاک بنا دیا۔

شہر مکہ! جو روئے زمین پر بہترین شہر اور ارض خاک پر خطۂ پاک ہے، اسی شہر میں شراب الابرار ہے (زمزم) اور مصلائے اخیار (حطیم) ہے یہ شہر معزز، مہبط وحی، یہ شہر مکرم منبع قرآن اور یہ شہر معظم مرکز اسلام ہے، اس شہر مبارک کا کونا کونا عقیدت سے چھانا جا چکا ہے، اس کا گوشہ گوشہ محبت سے گھوما جا چکا ہے، اس کا کوچہ کوچہ نگاہِ عشق سے دیکھا جا چکا ہے اور اس کا ذرہ ذرہ چوما جا چکا ہے، اس کی گلیوں میں اولیاء نے ڈیرے لگائے اور اس کے بازاروں میں صلحاء نے بستر لگائے ہیں، اس شہر کے در و دیوار کو کروڑوں آنکھوں نے چاہت سے دیکھا اور اس کے کوچہ و بازار کو کروڑوں نے اپنائیت سے چھوا ہے، اس کا ہر موڑ ہدایت اور ہر چوک داستان عزیمت ہے۔

شہر مکہ! یہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا شہر ہے جنہوں نے خدا کی امانت اس کے بندوں کے سپرد کی، یہ سیدہ خدیجہ کا شہر ہے جن کی رفاقت نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راحت بخشی، یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شہر ہے جن صداقت نے اسلام کی حقانیت ثابت کی، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شہر ہے جن کی عدالت نے اسلام کو عزت دی، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا شہر ہے جن کی سخاوت نے اسلام کی

وسعت کی، اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شہر ہے جن کی دانش وحکمت نے اسلام کو نئی جہت ارزاں کی، اس شہر میں بلال رضی اللہ عنہ اٹھا جو افق اسلام پر ہلال بن کر چمکا، اس شہر کا ایک عباسی عمار (رضی اللہ عنہ) تھا جو کاروان عزیمت کا سالار بنا، اسی خاک سے ابوعبیدہ نکلا جسے زبان نبوت سے ''الامین الامتہ'' کا لقب ملا، اس شہر کے سینے میں ایمان، یقین، وفا، ایثار، اخلاص، کی ہزار ہا داستانیں محفوظ ہیں۔

اسی شہر مقدس میں کعبہ ہے جس پر لپٹا ہوا کالا غلاف بندوں کے گناہوں کی کالک دھونے کا وسیلہ ہے، اس میں لگا ہوا سیاہ پتھر (حجر اسود) سیاہ کاروں کا مقدر اجال دیتا ہے، اس کا دروازہ ''باب ملتزم'' کہلاتا ہے جہاں سے بڑے سے بڑا ملزم بھی بری ہوکر پلٹتا ہے، اس کی چھت پر میزاب رحمت ہے جس سے گرنے والا ہر قطرۂ آب گنہگاروں کے لئے ابر شفاعت ہے، اس گھر میں لگے ہوئے پتھر اگرچہ ان گھڑ اور ٹیڑھے ہیں لیکن اپنے زائر کو نکھرا اور سیدھا بنا دیتے ہیں، یہ گھر بظاہر چھپن فٹ اونچا ہے، مگر اس کی چوٹی عرش علیٰ سے گھستی ہے، اور اگرچہ اس یہ گھر زمین پر تیار ہوا ہے لیکن عرش بریں کا حصہ معلوم ہوتا ہے، میں شب ۲ بجے مکہ مکرمہ پہنچا اور بیت اللہ اس وقت حاضر ہوا جب فضا پہ ایک سکون تھا، پورے دیار مکہ پر نور کی ایک چادر چھائی ہوئی تھی، اور موسم میں ایک عجیب سا کیف بسا ہوا تھا، نہ پوچھئے کہ بیت اللہ پر پہلی نظر کس طرح پڑی اور کیا محسوس ہوا؟ کاش ایسا کیمرہ ہوتا جو وجدان اور احساس کی تصویر اتار لیتا، کاش کوئی مصور ہوتا تو اس منظر کا نقشہ کھینچ لیتا ، اور کاش کوئی ترجمان ہوتا جو دل کا احوال بیان کرسکتا۔

ہدایت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق میں حدود حرم میں سر اور نظر جھکا کر داخل ہوا تا کہ حرم کی سیڑھیوں پر پہنچ کر اچانک نگاہ اٹھاؤں اور بھرپور انداز میں کعبے پر ڈالوں اور سارا نور دل میں اُتار لوں، سچ کہتا ہوں کہ میں زندگی میں ہر حسین نظارہ بھول سکتا ہوں، رنج و راحت کی ہر ساعت فراموش کرسکتا ہوں، دل لوٹنے اور نظر لبھانے والی ہر کیفیت ذہن سے محو کرسکتا ہوں، اور ہر دلآویز اور ذوق پرور نقش دل سے مٹا سکتا ہوں، لیکن وہ لمحے قبر تک یاد رہیں گے کہ جب میرا ساکت وصامت جسم تھا، پیش نظر بیت اللہ اور لبوں پر حرف دعا:

میں تھا تری جناب تھی، دست سوال تھا

عمرہ کے مراسم ادا کرتے ہوئے تسبیح وتہلیل کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی سوچتا رہتا تھا کہ آخر کعبے میں وہ کیا کشش ہے جو ہر نسل، ہر رنگ ، ہر زبان اور ہر علاقے کے ہزاروں لاکھوں لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے، صدیاں گزر گئیں، شاہی خانوادے اجڑ گئے، قصر وایوان ویران ہوگئے، امراء کی حویلیاں خاک اڑانے لگیں، رؤسا کے بنگلے بے رونق ہوگئے، سلاطین کے دربار قصہ پارینہ بن گئے، حکمرانوں کی کچہریاں بھولی بسری داستان بن گئیں، مہ رخوں کی محفلیں الٹ گئیں، پری وشوں کی مجلسیں درہم برہم ہوگئیں، معشوقوں کی شمعیں بجھ گئیں اور تاج وتخت والوں کی آخری نشانیاں مٹ گئیں، مگر بیت اللہ کا نکھار اپنے جوبن پر رہا، اس در پر لوگ پیدل بھی آتے رہے اور اونٹوں پر بھی، اکیلے بھی آتے رہے اور قافلے بنا کر بھی، سمندر بھی عبور کرکے آتے رہے اور پہاڑوں کے سنگلاخ راستے پاٹ کر بھی پہنچتے رہے، افریقہ کے ریگزاروں سے بھی اہل عشق یہاں پہنچے اور ملایا اور انڈونیشیا کے جزیروں سے بھی، ایشیا کے میدانوں کے بھی اہل ایمان یہاں حاضر ہوئے اور مشرق وسطیٰ کے صحراؤں سے بھی، نہ مسافت آڑے آئی، نہ سفر کی کلفت رکاوٹ بنی اور نہ کسی کی غربت حائل ہوئی، آتش عشق برابر سلگتی رہی اور شعلۂ شوق دم بدم بھڑکتا رہا۔

میں نے محسوس کیا کہ زائرین جب ملتزم سے لپٹتے ہیں اور جس طرح بلکتے ہیں یوں لگتا ہے کہ برسوں کا بچھڑا بچہ ماں کی گود میں آگیا ہے اور شائقین یوں حجر اسود سے چمٹتے اور اسے اس طرح چومتے ہیں، کہ کوئی باپ اکلوتی اولاد سے بھی یوں نہیں لپٹا ہوگا، پروانوں کا شمع کے گرد

طواف تو ایک استعارہ ہے حقیقی نظارہ تو مکاف کعبہ میں دکھائی پڑتا ہے۔

صفا مروہ کی سعی بھی ایک داستان محبت وعقیدت کی یادگار ہے جسے قدرت نے قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا ہے میں غار حرا پر بھی حاضر ہوا، اگر چہ دور سے زیارت کی، لیکن یہ حیرت رہی، کہ انسانیت کا غمخوار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسان کی ہدایت کے لیے کتنی صعوبت برداشت کرتا رہا، اس غار تک پہنچنا ایک امتحان ہے کجا کہ اس میں کئی دن اور راتوں کی گزران!

اہل قلب ونظر نے غار حرا کے متعلق کتنی عرفان آمیز اور وجدان آمیز بات کی ہے جس شخص کو اس غار میں پہنچنے کی سعادت مل جائے اسے چاہیے کہ وہ اس میں ڈوب جائے، اس میں کھو جائے اس لیے کہ مکہ اور مضافات مکہ کا ہر گوشہ تغیر زمانہ کی زد میں آیا۔ جھونپڑوں کی جگہ محل، پگڈنڈیوں کی جگہ کولتار سڑکیں، کوچوں کی جگہ بازار، خیموں کی جگہ پلازے اور پہاڑیوں کی جگہ شاپنگ سنٹر بن چکے ہیں، مگر غار حرا کا اندرون آج بھی وہی ہے اور اتنا ہے ویسا ہے جیسا عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھا، غار حرا کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس پر وجود نبوت کا لمس نہ ہو، خواہ اس کا فرش ہو چھت یا دیوار ہیں، نگاہیں بینا ہوں تو وہ منظر آج بھی دیکھ سکتی ہیں کان بیدار ہوں تو آوازِ نبوت سن سکتے ہیں، مشام خوشبو رکھتے ہوں تو خوشبوئے پیکر رسالت سونگھ سکتے ہیں اور وجدان زندہ ہو تو چودہ صدیاں قبل کا سارا کیف کشید کر سکتا ہے، میں ۲۱ رنومبر منگل کو مکہ مکرمہ پہنچا تھا، ۲۵ رنومبر ۹۵ء بروز ہفتہ شہر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضری کا عزم تھا۔

نماز عصر سے کچھ پہلے جب مضافاتِ مدینہ پہنچے اور دور سے گنبد خضرا نظر آیا، تو دل کی دھڑکن دفعتہً تیز ہو گئی، پتلیاں جم کر رہ گئیں اور لبوں پر نغمۂ درود جاری ہو گیا، صدیوں کے ذہنی روحانی سفر کا حاصل آنکھوں کے سامنے تھا۔

پاکستان ہاؤس میں سامان رکھا اور مغرب کے وقت دربارِ نبوت میں حاضری دی، سرزمینِ مدینہ پر قدم رکھتے ہی پہلا احساس ہی ہوا کہ ہی محض خطۂ زمین نہیں سجدہ گاہ عشاق ہے، یہی وہ شہر ہے جس کے ذرے ذرے میں عشق ومستی کے خزینے مستور ہیں، اس شہر کو مکہ معظّمہ کے بعد دنیا کے تمام شہروں پر فضیلت حاصل ہے، اس شہر کا اصل مکین وہ ہے جس کی پابوسی کا شرف عرش بریں بھی حاصل کرنا چاہتا ہے، یہ شہر اپنے مقدر پر جتنا بھی ناز کرے اتنا کم ہے کہ اس کی آغوش میں تا قیامت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما ہیں۔

یہ شہر اس سے پہلے یثرب تھا، بیماریوں اور وباؤں کا مرکز، لیکن پیغمبر امن وسلامتی اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مدینہ طیبہ بنا دیا، اور اسی شہر کا ایک گوشہ وہ ہے جہاں درگاہِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، جہاں گنبد خضراء ہے، اور جہاں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس دربار میں کتنے کجکلاہ حاضر ہوئے مگر گدا بن کر، اور کتنے صلحاء آئے مگر خاک پاء ہو کر، یہاں تعظیم کی خاطر آنکھیں بے اختیار جھک اور گردنیں بے ساختہ خم ہو جاتی ہیں، یہی وہ دربار ہے جس کے حاضر باشوں میں کبھی ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی رضی اللہ عنہم تھے، وہ کیا منظر ہوتا ہوگا جب اس شہر کے در و دیوار آوازِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گونجتے اور کوچہ و بازار خوشبوئے نبوت سے مہکتے ہوں گے، جب اس شہر کی مسجد کے مصلیٰ پر امام کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوتے ہوں گے اور مقتدیوں میں خلفاء راشدین، بلال وخالد، عثمان بن مظعون اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم شامل ہوتے ہوں گے۔

جب میں دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا تو یقین جانئے سانس گھٹ کر اور دل کی دھڑکن بے نام ہو کر رہ گئی۔ میں نے ایوان صدر بھی دیکھا ہے، وزیر اعظم ہاؤس بھی گیا ہوں، گورنر ہاؤس میں چائے بھی پی ہے، وزیر اعلیٰ ہاؤس میں بیٹھ کر گپ شپ بھی کی ہے، رضا شاہ پہلوی کے قصر سعد آباد (تہران) میں بھی گوما پھرا ہوں، لندن کا بکنگھم پیلس بھی وزٹ کیا ہے، مجھے ظاہر شاہ (افغانستان) کا محل

دیکھنے کا موقع بھی ملا ہے، مگران تمام جگہوں کو غور سے تو دیکھا ہے عقیدت سے نہیں، حسرت سے تو دیکھا ہے محبت سے نہیں، یہ سب والی شان سہی لیکن ان کی عظمت اس جگہ جتنی بھی نہیں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے مبارک نعلین اُتارا کرتے تھے، ان محلات کے بیش قیمت قالین اس چٹائی کے ایک تنکے کے برابر بھی نہیں جس پر والیٔ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف رکھتے تھے، ان شاہی بنگلوں میں آویزاں فانوسوں میں وہ چمک کہاں جو جاروب کشی کے دوران جمع ہونے والے صحن حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذرات خاک میں دکھائی دیتی ہے، سلاطین کی ان حویلیوں کی نظافت ونفاست اپنی جگہ لیکن ان میں وہ پاکیزگی کہاں جو نعلین نبی کے تلووٗں پر لگی ہوئی خاک میں تھی، مواجہہ شریف میں حاضری کے وقت میری آنکھوں کے سامنے امام مالک علیہ الرحمہ گھوم رہے تھے جنہوں نے بیس برس روضۂ اقدس کی چھاؤں میں بیٹھ کر درس حدیث دیا مگر کتاب کا ورق اس آہستگی سے پلٹتے تھے کہ آواز نہ آتی مبادا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آرام میں خلل آجائے، میں جتنی بار مواجہہ شریف میں حاضر ہوا اس وقت بھی اور آج تک یہی احساس ہے کہ ایک سہانا خواب تھا جو میں نے دیکھا، مجھے اپنے آپ پر، اپنے وجود پر، اپنی حاضری پر اعتبار نہیں آرہا تھا کہ فی الواقع میں اس وقت وہاں حاضر ہوں جہاں مجھ جیسا روسیاہ حاضری کی آرزو تو کرسکتا ہے لیکن وہاں کی موجودگی پر یقین نہیں کرسکتا، کہاں میں اور کہاں در نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ یہی تو وہ جگہ ہے جو عرش سے نازک تر ہے اور جہاں جنید و بایزید رحمتہ اللہ علیہما دم کشیدہ حاضر ہوتے ہیں، میں جتنی دیر وہاں رہا گم رہا، نہ اپنی خبر نہ گردوپیش کی خبر، ایک سکتے کا عالم تھا جو طاری رہا، رویا اس لئے نہیں کہ مبادا سسکی نکل جائے اور آواز اٹھ جائے، اور کیا دھرا اکارت جائے، جھولی بھی پھیلائی کہ یہاں بن مانگے سب کچھ مل جاتا ہے، صدا بھی نہیں لگائی اس لئے کہ در حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پلکوں سے دستک دے رہا تھا، یہ کیفیت کتنی دیر رہی ؟لمحوں کا حساب تو نہیں رکھا البتہ اسے زندگی کا حاصل ضرور سمجھا ہے۔

اس سفر سعادت کے دوران میں نے مسجد قبا، مسجد ذوالقبلتین، مساجد سبعہ اور شہدائے احد کے ہاں بھی حاضری دی، جنت البقیع میں مدفون پاک روحوں کو بھی ایصال ثواب کیا، جس جگہ بھی گیا، یہ احساس دماغ پر غالب رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بھی کیا باکمال ہستی ہے جس جگہ قدم رکھا اسے یادگار بنادیا، جس چیز کو ہاتھ لگایا اسے زیارت گاہ بنادیا، جس پر نظر ڈالی اسے مرکز نگاہ عشاق بنادیا، جس کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا اسے تاریخ کا معتبر اور مقدس حوالہ بنادیا، اور جس شئے کو اپنی طرف نسبت دے دی اسے لازوال شرف بخشا۔

اس تاثر کا اظہار بہر حال ضروری سمجھتا ہوں کہ سعودی حکومت نے جس بھی بے محل جوش، اور غیر ضروری مصلحت کے تحت مقدس اور تاریخی آثار مٹائے ہیں نہ تو روحانی شعور کا مظاہرہ کیا ہے، نہ اپنی دانش کا کوئی اچھا نمونہ پیش کیا ہے اور نہ ہی تاریخ کے ارتقائی سفر کے ساتھ انصاف کیا ہے، بلاشبہ مقدس مقامات کے معاملہ میں لوگوں نے مبالغے سے کام لیا مگر اس کا اعلاج یہ نہیں تھا جو کیا گیا، اس کا ازالہ بڑی حکمت کے ساتھ کیا جاتا نہ کہ اس سے بڑی حماقت کا مظاہرہ کیا جاتا، آج دنیا اربوں ڈالر صرف اس پر خرچ کررہی ہے کہ وہ کھنڈرات کو کھود کر تاریخ وتہذیب کے آثار برآمد کرے تاکہ تمدنی ارتقاء کے مدارج معلوم اور اپنی قوم کے منزل بہ منزل سفر کا مطالعہ کرسکے، رہن سہن کا جائزہ لے اور علمی وفکری اور ذہنی تہذیبی حوالے ڈھونڈ سکے، مگر یہ کیا کہ اہل عرب نے اپنی اصلی اور واقعی شکل میں موجود وہ آثار دیئے جو عرب کی حیاتِ نو اور تاریخ کے جلیل القدر سفر کی مستند نشانیاں تھیں، جزیرۃ العرب سے اگر کعبہ، منیٰ، صفا مروہ، مزدلفہ، عرفات، دارارقم، جبلِ رحمت، جبلِ نور، غارِ حرا، غارِ ثور، میدانِ بدر واُحد، مسجد قبا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر، جنت البقیع، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سب سے بڑھ کر یہ کہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکال دیا جائے تو اس کے پاس باقی کیا کچھ رہ جاتا ہے جس پر وہ ناز کرسکے، اور جس سے وہ

اقوامِ عالم میں اپنی شناخت کرواسکے، جزیرۃ العرب اور اہل عرب کی ساری شان تو انہی آثار کے دم قدم سے ہے، ورنہ کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ ملکوں ملکوں سے احرام باندھ کر یہاں پہنچے؟ یہ اماکن وآثار نہ ہوں تو کیا کوئی عرب کی ریگزاروں کی صرف ریگ وخاک پھانکنے کے لئے ارجھٹر مار کر آئے گا؟

محمد عربی سے ہے عالم عربی

جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں آئے تھے، مکہ بتوں کا شہر تھا، ظالموں کا مسکن تھا، ابولہبوں اور ابوجہلوں کا نگر تھا، اور توہمات و خرافات کا مرکز تھا، آپ نے کعبے کو اس کی عظمت رفتہ لوٹائی، اسے دوبارہ خدا کے گھر کی شان بخشی، اور اس گھر کو خدائی بندگی کے لئے پاک اور خالص بنا دیا، اسی طرح اردگرد کے غار محض مہیب اور خوفناک کھوہیں تھیں، اور پہاڑوں کی چاٹیاں محض ٹیلے، مشرکین مراسم حج ادا کرتے تھے مگر اظہار بندگی کے لئے نہیں محض قبائلی رواج کے طور پر، کوئی تقدس ان کے ذہن میں ہوتا تو کعبہ بتوں سے بھرا ہوا نہ ہوتا، قربانی کے جانوروں کا خون دیوار اور غلاف کعبہ پر نہ لتھیڑا جاتا، ننگ دھڑنگ ہو کر طواف نہ کیا جاتا، سرداروں کے مزدلفہ میں قیام کو کسر شان نہ سمجھا جاتا، یہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن کی ولادت، بعثت، دعوت اور استقامت نے شہر مکہ کو ایمان ونور کا بقعہ بنا دیا، اور اب یہ قیامت تک ایسا ہی رہے گا، یہی حال مدینے اور اس کے گردونواح کا ہے، یثرب کو مدینہ المنورہ کس نے بنایا؟

ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہاں نزول اجلال سے ایسا ہوا، ورنہ اس سے پہلے مدینے کو کون جانتا تھا؟ اور کسی کو جاننے کی ضرورت بھی کیا تھی؟ کوہ احد صدیوں سے وہیں ایستادہ تھا مگر پہچان سے محروم! میدان بدر بھی برسوں سے موجود مگر شناخت نابود!

کروڑوں درود وسلام اس رسول السلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جس نے مدینے کو ایک مقدس مقام عطا کر دیا، شہر مدینہ اور ساکنان مدینہ ہزار بار جنم لے کر بھی اپنے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شکر یہ ادا نہیں کر سکتے، جس کے قدوم ممنیت لزوم نے ایک قریئہ بے نام کو بقائے اور شہرت تمام بخش دی۔

کاش میں عرب کا حکمران ہوتا تو میں شہر مکہ اور شہر مدینہ دونوں کو ان کی اصلی حالت میں محفوظ کر لیتا اور ان کے اردگرد مضبوط اور بلندو بالا فصیل کھڑی کر دیتا، اور دونوں شہروں کے باسیوں کے لیے متبادل اور خوبصورت مکانات مہیا کر دیتا یہ سب کچھ اس لیے کرتا کے دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ پاتی کہ ایک عالم کی تقدیر بدلنے والی شخصیت نے کس جگہ جنم لیا تھا، حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی محفوظ ہو جاتا تاکہ لوگ شاہ شرق وغرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی حکومت کے سربراہ کی بودوباش کا اندازہ کر سکتے ہیں، وہ گلیاں، وہ بازار، وہ کوچے، وہ روشیں سب کچھ محفوظ کر لیتا، جن میں کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر رہا، جہاں سے آپ نے کچھ خریدا، جن میں آپ کبھی تشریف لے گئے اور جن پر کبھی آپ چلے، وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی اصل حالت میں رہتی، جس کی چھت کھجور کے چھالوں کی تھی، جس کی دیواریں کچی تھیں اور جس کے فرش بارش کے دوران کیچڑ سے اٹ جاتے تھے، مگر اسی مسجد میں جبرائیل علیہ السلام کا نزول ورود ہوتا، اسی مسجد مخدوم میں کون ومکاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ ریز ہوئے، اسی مسجد میں بیٹھ کر کسریٰ کی سلطنت کے پرزے اڑنے کی زبان نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خبر دی گئی، اور یہی مسجد ساٹھ لاکھ مربع میل پر محیط اسلامی ریاست کا مرکز قرار پائی، کاش، میں ایسا کر سکتا۔

کشف المعانی لمکتوبات امام ربانی

شرح مکتوبات شریف (مکتوب چھاردھم) نمبر۱۴ (بقیہ حصہ)

(محدث زماں حضرت علامہ محمد اسحاق نظیری رحمۃ اللہ علیہ)

ادارہ الحقیقہ کے لیے جہاں یہ امر باعث عزوشرف ہے وہیں ہمارے قارئین کے لیے مادیت زدہ ماحول میں، قطبِ وقت، قندیل نورانی محدث رحمانی، غوث صمدانی، امام ربانی، المجد دالمنورالف ثانی، ابوالبرکات شیخ بدرالدین احمد فاروقی، نقشبندی، سرہندی قدس سرہ العزیز کے مکاتیب جو مکتوبات امام ربانی (مکتوبات شریف) کے نام سے معروف ہیں، علوم ومعارف اور حقیقت ومعرفت کا بحرِ ذخار ہے جو اس قدر مشکل اور اَدق ہیں کہ بقول امام ربانی مجدد الف ثانی علما کے علوم اور اولیاء کے معارف سے وراء ہیں جو مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہیں اور الف ثانی کے مجدد کے ساتھ خاص ہیں۔ نیز یہ علوم ومعارف کشف صحیح اور الہام صریح سے ثابت ہیں جو کتاب وسنت کے عین مطابق اور اہلسنت کے عقائد وآراء کے بالکل موافق ہیں۔

ادارہ مجلّہ الحقیقہ اپنے قارئین کے لیے آسان اور عام فہم انداز میں، محدث زماں حضرت علامہ محمد اسحاق نظیری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کردہ **"کشف المعانی لمکتوبات امام ربانی"** جو کہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریفہ کی شرح، پہلی بار شائع کر رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے مزار پرانوار پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، حضرت علامہ محمد اسحاق نظیری رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے، مجلّہ الحقیقہ کو اسلام اور تصوف کی حقیقی تصویر پیش کرنے اور قارئین کو فیض حاصل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(ادارہ الحقیقہ)

فارسی	اردو
"دربیان حصولِ وقائع کہ دراثناءِ راہَ رودادہ بودند و بیانِ احوالِ بعضے مسترشدان نیز باپیر بزرگوار خود نوشتہ اند"	راستہ (سلوک) کے دوران پیش آنیوالے حادثات وواقعات کے بیان اور بعض طالبان ہدایت کے احوال کے بیان میں اپنے مرشد بزرگوار کو لکھا ہے۔
"عرضداشتِ کمترینِ بندگانِ احمد آنکہ"	تمام غلاموں سے کمتر بندہ احمد کی عرض یہ ہے کہ
"تجلیاتیکہ درمراتبِ اکوان ظاہر شدہ بودند پارہ ازان در عرضداشتِ سابق معروض داشتہ بود"	وہ تجلیات جو مخلوقات کے مراتب میں ظاہر ہوئی تھیں اسکا کچھ حصہ پہلی عرضداشت میں عرض کر دیا گیا تھا۔

''بعدازاں مرتبہء وجوب کہ جامع صفات کلیہ است ظاہر شد و بصورتِ زن غیر جمیلہ مسوّ د اللون متمثّل گشت و پس ازان مرتبہء احدیت بصورتِ مرد دراز بالا کہ بر دیوار باریک پہن ایستادہ است متجلی گشت''	اسکے بعد مرتبہء وجوب جو صفات کلیہ کا جامع ہے ظاہر ہوا اور بدصورت کالے رنگ کی عورت کی شکل میں متمثّل ہوا اور اسکے بعد مرتبہء احدیت بلند قامت مرد کی صورت میں چھوٹی چوڑی دیوار پر کھڑا واضح ہوا (یعنی ظاہر ہوا)۔
''واین ہر دو تجلی بعنوانِ حقانیۃ ظاہر شدند بخلاف تجلیاتِ سابق کہ نہ باین عنوان بودند''	اور یہ ہر دو تجلیاں حقانیت کے عنوان سے ظاہر ہوئیں بخلاف پہلی تجلیوں کے کہ وہ اس عنوان سے نہ تھیں۔
''درہمین اثناء آرزوئے موت پیدا شد و چناں درنظر آمد کہ من گویا شخصے ام بر کنارِ دریائے محیط ایستادہ ام بارارۂ آنکہ خود را در دریا اندازد اما از عقب او ابریسمائے مضبوط کردہ اند کہ نمی تواند بدریا درون رفت''	اسی اوران موت کی تمنا پیدا ہوئی اور ایسے نظر آیا کہ میں گویا ایک ایسا شخص ہوں کہ محیط دریا کے کنارہ پر بیٹھا ہوا ہوں اس ارادہ سے کہ اپنے آپکو دریا میں ڈال دوں۔لیکن پیچھے سے اسکو رسیوں سے مضبوط کر کے باندھا ہوا ہے کہ اپنے آپکو دریا میں ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا۔
''وآن ویسمان عبارت از تعلقات بدن عنصری خود میدانستم وآرزو میکردم کہ ایں ویسمان گسستہ شوذ''	اور وہ رسیاں اپنے عنصری بدن کے (آپس میں) تعلقات سے عبارت جانتا ہوں (یعنی رسیوں سے یہ مراد سمجھتا ہوں کہ چار عناصر آگ پانی مٹی ہوا کے باہمی ترکیبی تعلقات ہیں جن سے عنصری جسم بنتا اور زندہ رہتا ہے)اور آرزو کرتا ہوں کہ یہ رسیاں ٹوٹ جائیں (یعنی موت آجائے) ان عناصر کے باہمی تعلق کے خاتمہ کا نام موت ہے)
''وایضاً کیفیتے خاص روداد کہ درآن وقت بطریق ذوق دریافت کہ دل را ہیچ بایستے غیر از حق سبحانہ نماندہ است''	اور نیز ایک خاص کیفیت سامنے آئی کہ اس وقت ذوق کے طریقہ سے معلوم ہوا کہ دل کو حق سبحانہ کے علاوہ کوئی حاجت نہیں رہی ہے (یعنی تعلق باللہ ایسا قائم ہوا کہ غیر اللہ میں سے کسی کی کوئی حاجت نہ رہی غیر حق سے مراد دنیاوی امور ہیں۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مرشد تعلق باللہ کا حصہ ہیں)
''بعدازاں صفاتِ کلیہ وجوبیہ کہ باعتبارِ مجالّ ومظاہر خصوصیات پیدا کردہ بودند درنظر آمدند''	اسکے بعد صفات کلیہ وجوبیہ جو کہ مجال اور مظاہر کے اعتبار سے خصوصیات پیدا کئے ہوئے تھیں نظر آئیں (مجالّ شد سے محل کی جمع ہے جسکا معنی ہے نزول کی جگہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات جو واجب اور قدیم ہیں جہاں انکا ظہور ہو وہ انکا محل اور مظہر ہے تو اپنے اس مظہر کے اعتبار سے مزید خصوصیات پیدا کرتی ہے اس خصوصیت کے بمعہ نظر آئیں)۔
''پس ازان آن خصوصیات بتمام ازانہا خرور یختند و باقی نماندند الاّ بعنوانِ الکلیۃ الوجوبیۃ''	اسکے بعد وہ خصوصیات مکمل ان مظاہر ومحال سے نیچے گریں اور باقی نہ رہیں مگر کلیہ وجوبیہ کے عنوان سے (یعنی اصل صفات جو کلیہ اور وجوبیہ ہیں)

''وصورتِ تجدید آنہا از خصوصیات نیز در نظر در آمد و حینئذٍ معلوم گشت کہ اکنون حقیقۃٔ صفات را باصل را دی و پیش از تجدید از خصوصیات باصل دادن معنی نداشت مگر آنکہ بطریقِ تجوّز باشد کما ھو حالُ اربابِ التجلی الصوریؔ''	اوران (صفات) کا خصوصیات سے علیحدہ (مجرد) کرنے کی صورت بھی دیکھنے میں آئی اور اس وقت معلوم ہوا کہ اب تو نے صفات کو حقیقت میں اصل (شکل) دیدی ہے اور خصوصیات سے مجرد کرنے سے پہلے اصل (شکل) دینا کوئی معنی نہیں رکھتا مگر یہ کہ بطریق مجاز ہو جیسا کہ یہی حال ہے صوری تجلی والوں کا (یعنی صفات کلیہ وجوبیہ کا خصوصیات سے علیحدہ کرنے کا منظر بھی دیکھا اور معلوم ہوا کہ صفات کا اصل کے اعتبار سے مشاہدہ کیا ہے جو تجلی ذاتی حقیقی نہ ہو وہ صوری ہے۔ صوری تجلی کا مشاہدہ کرنے والے حقائق پر آگاہ نہیں ہوتے تفصیل اس طرح ہے حق تعالیٰ اشیا کی صورت بندہ پر تجلی کرتا ہے تو بندہ ان صورتوں میں مشاہدہ کرتا ہے یہ تجلی صوری ہے)۔
''وفنائے حقیقی این زمان متحقق گشت''	اور حقیقی فنا اس وقت موجود ہوئی (یعنی حقیقی فنا کا مقام اس وقت حاصل ہوا)۔
''بعد از تحققِ این حالت صفاتیکہ در خود و در غیر خود بودند بیک نہج یافتہ وامتیازِ محالّ برخاست''	اس حالت کے پائے جانے کے بعد وہ صفات جو اپنے اندر اور اپنے غیر کے اندر تھیں انکو ایک طرز پر پایا اور محال کا امتیاز اُٹھ گیا (محل اور مظہر کا امتیاز نہ رہا یعنی محال کی علیحدہ علیحدہ پہچان ختم ہوگئی) یہ وضاحت گزر چکی ہے کہ محالّ محل کی جمع ہے صفت کے نزول کا مقام اور اسی کو مظہر بھی کہتے ہیں)۔
''درین وقت از بعضے دقائق انواعِ شرک خفی خلاصی میسر شد''	اس وقت شرک خفی کی بعض باریک قسموں سے خلاصی حاصل ہوئی (شرک آفاقی والوں کو شریعت میں مشرکین کہا جاتا ہے بتوں کی۔ چاند کی۔ سورج وغیرہ کی پرستش کرنا شرک آفاقی ہے یعنی کسی بھی عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرنا۔ اسکے علاوہ بظاہر آدمی مسلمان ہے مگر اپنے نفس کی مرضی پوری کرتا ہے اللہ کی رضا کو مدنظر نہیں رکھتا یہ شرک انفسی ہے ریا ۔کینہ۔حرص وغیرہ شرک خفی ہے اسکی بے شمار قسمیں ہیں اور بعض بہت ہی باریک ہیں ہر ایک کی سمجھ میں نہیں آتیں حضرت فرماتے ہیں ان سے
	خلاصی میسر ہوئی۔ مشرک انفسی شرک خفی کے تحت ہے)۔ محشی نے شیخ رکن الدولہ کے حوالہ سے لکھا اگر تجلیات صوری سے دیکھیں تو اسکو آثار۔ اگر تجلیات نوری سے دیکھیں تو اسکو افعال ۔ اگر تجلیات معنوں سے دیکھیں تو اسکو صفات ۔ اگر تجلیات ذاتی سے دیکھیں تو اسکو ذات سے نسبت دیتے ہیں)۔

''وحینئذٍ نہ عرش ماند و نہ فرش نہ زمان و نہ مکان نہ جہات نہ حدود''	اور اس وقت نہ عرش رہا اور نہ فرش ۔نہ زمانہ اور نہ مکان نہ سمتیں نہ حدیں رہیں (جہات جمع ہے جہت کی سمت کو کہتے ہیں سمتیں چھ ہیں دائیں بائیں آئے پیچھے اوپر نیچے کی چیز کی نہایت کو حد کہتے ہیں اس میں لمبائی چوڑائی موٹائی کا اعتبار ہوتا ہے طول ۔عرض ۔عمق ۔یعنی یہ تمام امتیازات ختم ہوگئے ۔)
''اگر فرضاً سالہا فکر کنم ہرگز در علم نیاید کر یک ذرہ از عالم مخلوق گشتہ است''	اگر فرض کریں کہ کئی سال سوچتا رہوں تو بھی علم میں یہ بات نہیں آتی کہ جہاں سے ایک ذرہ مخلوق ہے (خالق اور مخلوق کی تمیز بھی اس مقام میں ختم ہوگئی) بلکہ علم ساتھ نہیں رہا)
''بعد ازاں تعینِ خود در نظر آمد و وجہِ خاص خود نیز''	اس کے بعد اپنا تعین نظر آیا اور اپنی وجہِ خاص بھی نظر آئی (اب امتیاز ہونا شروع ہوگیا) یعنی اپنا تشخص اور اسکے وجوہات ولوازمات نظر آئے)۔
''وتعین در رنگ جامعہ بود کہنہ پارہ پارہ شدہ کہ شخصے پوشیدہ باشد و آن شخص را وجہِ خاص دانستم اما بعنوان حقانیت مقصود نگشت''	اور (اپنا) تعین لباس کے رنگ میں تھا پرانا (لباس) پرزے پرزے ہو اکہ ایک شخص پہنے ہوئے ہو اور اسکی شخص کی وجہِ خاص میں نے جان کی مگر حقانیت کے عنوان سے متصور نہیں ہوا (یعنی یہ تصور میں نہیں آیا کہ اس رنگ میں حق کو دیکھ رہا ہوں بلکہ حق کو دیک رہا ہوں بلکہ حق سے علیحدہ کسی شخص کو دیکھا)۔
''بعد ازان بالائے آن شخص متصل پوستِ رقیق در نظر آمد و خود را عینِ آن پوست یافتم واین جامہ تعین را از خود بیگانہ دیدم و نور یکہ دران پوست بود در نظر آمد''	اس کے بعد اس شخص سے بلند (اوپر) قریب ایک باریک چمڑا نظر آیا اور اپنے اس چمڑے کا عین پایاا اور اس تعین کے لباس کو اپنے بیگانہ دیکھا (یعنی عین نہ تھا) اور جو نور اس چمڑے میں تھا نظر آیا (یعنی اس چمڑے میں جو علیحدہ نور تھا وہ بھی دیکھا اور چمڑا اپنا عین تھا)۔
''بعد از ساعتے آن نور از نظر غائب گشت واین پوست و جامہ نیز از نظر مرتفع گشتند و ہمان جہالتِ سابق ماند''	ایک گھڑی کے بعد (تھوڑے وقت بعد) وہ نور نظر غائب ہوگیا اور یہ چمڑا اور لباس بھی نظر سے زائل ہوگئے اور وہی پہلی نادانی (باقی) رہگئی ۔
''تعبیر این صورتِ واقعہ مذکورہ آنچہ در علم آمد بعرض میر ساند کہ تا صحت و سُقم او معلوم شود''	اس مذکورہ واقعہ کی صورت کی تاویل جو علم میں آئی اسکو (خط کی شکل) عرض کرتا ہوں تا کہ اسکی صحت اور خطا معلوم ہوجائے (سالک کے دل پر جو واقع ہو خواہ خواب میں یا جاگنے میں اسکو واقعہ کہتے ہیں اس میں ظاہر ی حواس معطل ہوئے ہیں ۔صحت صحیح باصواب ہونے ۔سقم بیمار یعنی غلط اور خطا ہوتا۔

''وآن آنست کہ این صورت مذکورہ عین ثابتہ است کالبرزخ بین الوجوب والامکان کہ ہر طرفِ اوز یکد گر جدا گشتہ اند وبکمالِ فرق متحقق شدہ اند''	اور وہ (تعبیر) یہ ہے کہ یہ مذکورہ صورت عین ثابتہ (صورت علمیہ) ہے جو وجوب اور امکان کے درمیان واسطہ کا وہ کنارہ جو ایک سے ملا ہوا ہوتا ہے وہ غبہ ہوتا ہے اس کنارہ کے جو دوسری سے ملا ہوا ہوتا ہے) اور مکمل فرق کے ساتھ متحقق ہیں (یعنی دونوں طرف کا امتیاز پورا پایا جاتا ہے)۔
''وآن پوست کہ درمیان آن جامہ ءکہنہ وآن نور واقع شدہ است برزخ است بین الوجود والعدم''	اور وہ چمڑا جو اس پرانے لباس اور اس نور کے درمیان واقع ہے (وہ) وجود اور عدم کے درمیان برزخ ہے۔
''وخود را کہ در آخر آن پوست یا ختم اشارتست بوصول بہ برزخیت''	اور میں نے اپنے آپکو جو اس چمڑے کے آخر میں پایا ہے (یہ) برزخیت تک پہنچنے کی طرف اشارہ ہے (یعنی نور سے مراد وجود ہے اور لباس کہنے سے مراد عدم ہے اور چمڑا دونوں کے درمیان برزخ ہے جس تک میں پہنچ گیا ہوں)
''وسابقاً در وقائع نیز خود را برزخ بین الوجود والعدم میا ختم اما ظاہرً ا آن بہ نسبت آفاق بود این نظر بأنفس است''	اور اس سے پہلے کے واقعات میں اپنے آپکو بھی وجود اور عدم اور کے درمیان میں نے برزخ پایا تھا بہرحال ظاہری طور پر (اسکی تاویل یہ ہے کہ) وہ بہ نسبت آفاق کے تھا یہ اَنفُس کی طرف نظر (کے لحاظ سے) ہے (اپنے سے باہر مخلوق آفاق ہے اور اپنے اندر کی مخلوق اَنفُس ہے) قرآن میں دونوں کو دکھائے جانے کا ذکر ہے عنقریب ہم انکو دکھائیں گے اپنی نشانیاں آفاق میں اور انکے نفسوں میں۔ (سورہ السجدہ پارہ ۲۵)
''ویک فرقِ دیگر ہم دران وقت ظاہر شدہ بود اما در وقت خوشتین فراموش گشت ہذا۔	اور ایک دوسرا فرق بھی اس وقت ظاہر ہوا تھا لیکن لکھتے وقت بھول گیا (یعنی ایک فرق تو آفاقی وانفسی والا ہے مگر ایک اور فرق بھی ظاہر ہوتی تھا جو بعد میں بھول گیا۔ یہ۔ یعنی اسکو مضبوطی سے یاد رکھو۔ اے خذ ہذا۔
''آنچہ دائم حاصل اسے حیرت ونکارت است وگاہ گاہ ہمیں طور شعبدہ پیدا میشود وبرطرف میگردد ومعرفتِ آن میماند''	وہ چیز جو ہمیشہ کے لئے حاصل ہے (زائل نہیں ہوتی) وہ حیرانی اور نادانی ہے (نکارت انکار کرنا یعنی علم سے انکار کرنا میں نہیں جانتا اسکا خلاصہ نادانی ہے یہ مقام حاصل رہتا ہے) اور اسی طرح کبھی کبھی عجیب حال پیدا ہوتا ہے اور زائل ہو جاتا ہے اور اسکی پہچان باقی رہ جاتی ہے شعبدہ بازی ایسی کھیل کو کہتے ہیں جادو سے مشابہہ ہو اسمیں عام طور نظر بندی ہوتی ہے شعبدہ بازی کا لفظ مشہور ہے یہاں مراد عجیب حال کا ظاہر ہوتا ہے)

''ودرتعبیر بعضے وقائع درمی ماند واگر چیزے درعلم می آید بران اعتماد نمیکند''	اور بعض واقعات کی تاویل کے بیان میں (بندہ) عاجز آجاتا ہے اور اگر کوئی چیز علم میں آتی ہے تو اس پر اعتماد نہیں کرتا (اسلئے دل پہ وارد ہونے والی ان چیزوں کو نہیں لکھتا)
''بہمان تقریب درعرضداشتہا گستاخی مینماید''	اسی وجہ سے کئی مکاتیب میں گستاخی نظر آتی ہے (یعنی حال نہ لکھنا گستاخی ہے اور یہ گستاخی کا ارتکاب قصداً نہیں بلکہ اسکا اصل سبب یہ ہے کہ واقعہ لکھنے کے قابل نہیں ہوتا)۔
''باشد کہ یا غلام حضرت ایشان یقین بامرے پیدا شود''	(ہاں یہ) ہوسکتا ہے کہ حضرت جناب کے بتانے (سکھانے) سے کسی واقعہ کا واحد کام یقین پیدا ہوجائے (یعنی از خود یقین نہیں ہوتا مگر آپ یقین کرادیں تو ہوسکتا ہے)۔
''امیدوار است کہ بتوجہات علیہ از گرفتاری تعلقاتِ دَنیۃ نجات میسّر شود والاّ کار بسیار مشکل است'' ''بے عنایاتِ حق وخاصانِ حق گر مَلَک باشد سیاہ ہستش ورق''	(بندہ) امیدوار ہے کہ بلند توجہات کے سبب کہتر (دنیا) تعلقات سے نجات آسان ہوجائے اور اگر (توجہ) نہیں تو کام بہت مشکل ہے (وہ دنیاوی تعلقات جو اللہ کی رضا کی نیت سے خالی ہوں صرف نفسانی شیطانی خواہشات کے تحت ہوں) اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی مہربانی کے بغیر اگر فرشتہ ہو تو اسکا اعمالنامہ بھی سیاہ ہے (یعنی وہ بھی نہیں بچ سکتا)
''شیخ طٰہٰ پسر شیخ عبداللہ نیازی کہ از مشاہیر مشائخِ سرہند است وخدام حاجی عبدالعزیز نہ تفصیل بایشان آشنا اند قدم بوسی و نیاز مندی معروض داشتہ است واورا داعیۃ انابت باین طریقہء علیہ شریفہ پیدا شدہ است و بصدق ملتجی و نیاز شدہ است استخارہ گفتہ ام کہ بکند ظاہر مناسبت دارد۔	''شیخ طٰہٰ شیخ عبداللہ نیازی کا بیٹا سرہند کے مشہور مشائخ سے ہے اور حاجی عبدالعزیز کے خادم لوگ (بلکہ خود حاجی عبدالعزیز) تفصیل کیساتھ انکی پہچان رکھنے والے ہیں (انہوں نے) قدم بوسی اور نیازمندی کی عرض کی ہے (یعنی ملاقات کرنے کا ارادہ کیا ہے) اور انکو اس بلند و شریف طریقہ کی رجوع کرنے کا ایک داعیہ (بلانے والا سبب) پیدا ہوا (یعنی شوق پیدا ہوا ہے کہ اس طریقہ میں داخل ہوں) اور سچائی و عاجزی سے التجا کرنے والا ہوا ہے میں نے اسکو استخارہ کرنے کا کہا ہے بظاہر (اس طریقہ نقشبندیہ کے ساتھ) مناسبت رکھتا ہے (یعنی اس نے مجھ سے ملاقات کے کے طریقہ میں داخل ہونے کی خواہش ظاہر کی ہے میں نے اسکو استخارہ کرنے کا کہا اگر طریقہ میں داخل ہوجائے تو مناسبت بھی رکھتا ہے یہ صرف اطلاع ہے)۔

''ویارانے کہ این جا تعلیم ذِکر گرفتہ اند اکثر بطریق رابطہ مشغول اند''	اور جن ساتھیوں نے یہاں ذکر کی تعلیم حاصل کی ہے اکثر رابطہ کے راستہ میں مشغول ہیں خواجہ احرار نے فرمایا سایہء رہبر بہ ذکر حق پیر کا سایہ ذِکر حق سے بہتر ہے اس سے تصور شیخ مراد ہے کہ یہ جلد ملانے والا ہے)۔
''بعضے از آنہا در واقعات دیدہ رابطہ گرفتہ ہمراہ می آیند''	ان میں سے بعض نے واقعات (دل پر وارد ہونے والے حالات) میں دیکھا کہ رابطہ پکڑے ہوئے (تصور شیخ کئے ہوئے) ساتھ آرہے ہیں (شیخ کے ہمراہ آرہے ہیں)۔
''وبعضے پیش از آمدن از دہلی رابطہ داشتند راولاً بہ حضور و استغراق میروند''	اور بعض (دوست) آنے سے پہلے دہلی سے رابطہ رکھتے ہیں (یعنی خواجہ باقی باللہ کا تصور رکھتے ہیں) اور ابتداء میں حضور و استغراق میں چلے جاتے ہیں۔
''بعضے از انہا صفات ہم باصل مید ہند و بعضے نہ''	ان میں سے بعض صفات کو بھی اصل سے دیکھتے ہیں اور بعض نہیں (دیکھتے) یعنی صفات کو اصل خیال کرنا خطا ہے بعض اس خطا کا شکار ہیں)۔
''اما ہیچکس براہِ توحید وانوار وکشوف نمید ود''	لیکن (ان میں سے) کوئی بھی توحید اور انوار اور کشفوں کے راستہ پر نہیں چلتا (توحید سے مراد وحدۃ الوجود کا نظریہ ہے یعنی اس نظریہ کو کسی نے نہیں اپنایا انوار نور کی جمع ہے کشوف کشف کی جمع ہے یعنی انوار اور کشف حاصل کرنے کی نیت سے کوئی بھی مجاہدہ دریافت نہیں کرر ہا بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لئے عبادت کرتے ہیں ۔حضرت مولانا عبدالمجید صاحب حضرت خواجہ غوث المعظم شیخ احمد علیہ الرحمتہ سے کشف سے متعلق سوال کیا تھا تو حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا اومولوی کیوں گمراہ ہونے لگا ہے اللہ کی عبادت اللہ کی رضا کے لیے کی جاتی ہے کشف کے لیے نہیں کی جاتی کسی کو از خود اللہ تعالیٰ کشف عنایت کردے تو یہ اسکی نعمت ہے جو بعض اولیاء کو مل بھی جاتی ہے مگر کشف کو تلاش کرنا طریقت میں گمراہی ہے)۔
''مُلاّ قاسم علی و مُلاّ مودود محمد و عبدالمومن ظاہرً ابنقطہ ءفوق رسیدہ انداز مقام جذبہ''	ملا قاسم علی اور ملا مودود محمد اور عبدالمومن من بظاہر نقطہء فوق تک مقام جذبہ سے پہنچ چکے ہیں (یعنی سیر انفسی سے نقطہء فوق تک پہنچ چکے ہیں)۔

''امام ملا قاسم علی رُو بنزول دارد وآن دو معلوم نیست کہ فرود آیند''	بہر حال ملا قاسم علی منہ نزول کی طرف رکھتا ہے (یعنی مسند ارشاد پر فائز ہونے والا ہے) اوران دو (ملا مودود محمد وعبدالمومن) کا معلوم نہیں کہ نیچے آئینگے (یعنی لوگوں کی ہدایت کے لئے نیچے آئینگے یانہیں)۔
''وشیخ نور ہم نزدیک بنقطہ است امانرسیدہ است''	اور شیخ نور بھی نقطہ کے قریب ہے لیکن (نقطہ تک) پہنچا نہیں ہے۔
''ملاّ عبدالرحمٰن ہم نزدیک بنقطہ است امامسافتِ قلیلہ درمیان ہست''	ملا عبدالرحمٰن بھی نقطہ کے قریب ہے لیکن تھوڑا فاصلہ درمیان میں ہے (تھوڑا فاصلہ باقی ہے)۔
''ملاعبدالھادی حضور بااستغراق دران پیدا کردہ است ونیز میگوید کہ مطلق منزہ راجا شانہ دراشیا بہ صفت تنزیہ می بینم و افعال راہم از وتعالیٰ میدانم''	ملا عبدالھادی (کو) حضور (حاصل ہے) اس میں (حضور میں) استغراق پیدا کیا ہے اور (یہ بات) بھی کہتا ہے کہ مطلق پاک ذات جل شانہ کو اشیاء میں پاکی کی صفت کے ساتھ دیکھتا ہوں اور افعال کو بھی اُسی بلند ذات سے جانتا ہوں۔
''دولتِ ایشاناست کہ بطالبان ومستعدان فائض می شود واین کمینہ رادرافاضہءآن ہیچ نصیبے نیست''	(یہ تمام فیوضات) آپکی دولت ہے کہ طالبان اور کوشش کرنے والوں پر فائض ہے (یعنی یہ آپکے فیوضات ہیں جو سالکان تک پہنچ رہے ہیں ۔مجدد صاحب مرشد اکرم سے عرض کرتا ہیں) اور اس کمینہ کو یہ فیوضات پہنچانے میں کوئی حصہ حاصل نہیں۔
''ع من ہمان احمدِ پارینہ کہ ہستم ہستم''	میں وہی پرانا احمد ہوں جو پہلے تھا۔
''روزے فرمودہ بودند درمیان واقعہ از وقائع کہ اگر نہ معنے محبوبیت درمی بود توقف بسیار دروصول بمقصد واقع میشد''	واقع میں سے ایک واقعہ کے دوران ایک دن آپ نے (حضرت خواجہ باقی باللہ نے) فرمایا تھا کہ اگر اس (مجدد صاحب) میں محبوبیت والا معنی نہ ہوتا تو مقصد تک پہنچنے میں بہت توقف (دیر) واقع ہوتا (یعنی محبوبیت کے مقام کی وجہ سے سلوک بہت جلالطی ہوا)۔
''ومحبوبیتِ اورانسبت بہ عنایتِ خود ہم بیان فرمودہ بودند ازاں سخن امیدوارِیِ تمام است واین جرات وگستاخی از آنست''	اور اس محبوبیت کو بھی اپنی عنایت کی نسبت بیان فرمایا تھا (یعنی ہماری عنایت سے انکو محبوبیت کا درجہ ملا) (لہذا) اس بات سے پوری امیدواری حاصل ہے اور یہ جرات اور گستاخی اُسی سبب سے ہے۔

معاشرے میں منشیات کے بڑھتے ہوئے رجحانات

سید آل احمد رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عصر حاضر کے انسان کو آج سب سے بڑی ضرورت امن وسکون کی ہے۔ ہر شخص سکون کا متلاشی ہے۔ جسے دیکھو گردش حالات کا رونا روتا ہے جس سے ملئے اپنے تفکرات اور پریشانیوں کے علاوہ کسی بات کا ذکر ہی نہیں کرتا۔ ہر شخص اپنے پہلو میں تفکرات کی دنیا لئے درد و کرب اور یاس وناامیدی کی تصویر بنا بیٹھا ہے۔ ہیجان و بے چینی کی یہ کیفیت اس کے اندر بھی ہے اور باہر بھی۔ اسے دور کرنے کے لئے وہ غلط سہاروں پر بھروسہ کرتا ہے۔ وقتی لت پرستی اور خود فراموشی اور عارضی عیش کوشی کے طریقے اختیار کرتا ہے۔ وہ فکر فردا سے آزاد ہونا چاہتا ہے اور غم دوش سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اسے یہ میسر ہے اور نہ وہ۔ اسے تو حال کے شکنجے نے جکڑ رکھا ہے اور وقت کے تقاضوں نے مبتلائے آلام کر رکھا ہے۔ خود ساختہ اور خود تخلیق کردہ حالات کا شکار آج کا انسان نشہ آور اشیاء کا بے دریغ استعمال کر رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کے دور کا انسان اتنی بھیڑ بھاڑ اور سرگرمیوں کے باوجود تنہا ہے۔ اسے ایسے نسخہ کیمیا کی ضرورت ہے جو اس کے تمام تفکرات اور معنوی بیماریوں کا مداوا کر سکے۔

ہماری خوش بختی ہے کہ ہم جن کے امتی ہیں انہوں نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت اور عمل پیہم سے نہ صرف اہل عرب کے حالات بدل دیئے بلکہ عالم انسانیت کی کایا پلٹ دی اور تاریخ نے ایسا امن وسکون اور صلح وآشتی سے بھرپور زمانہ دیکھا جس کی نظیر پہلے تھی، نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہو سکتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آنے والے انسان کے لئے اپنی سیرت پاک کے ذریعے ایسا پیغام، ایسی تعلیمات اور ایسا نمونہ عمل فراہم کیا ہے کہ اگر وہ ان پر عمل پیرا ہو جائے تو اس کا دکھ سکھ میں، بے چینی چین میں، انتشار اتفاق میں اور جنگ وجدل امن وسکون میں بدل جائیں گے۔ ہمارا معاشرہ تحت الثریٰ کی پستیوں سے نکل کر اوج ثریا کی بلندیوں سے ہمکنار ہو جائے گا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے کے ناطے یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم سب سے پہلے اپنے دل کو سکون بہم پہنچائیں اور پھر اپنے ماحول اور معاشرے میں امن وامان کے قیام کے لئے وہی طرز عمل اختیار کریں جس کی تعلیم ہمیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہے اور پھر آپ کی تعلیمات کی ترویج واشاعت کا اہتمام تمام عالم انسانیت تک کریں۔ یہ ہمارا انفرادی، قومی، مذہبی اور انسانی فریضہ ہے۔ یہ مقصد ہم اس وقت ہی حاصل کر سکتے ہیں جب ہم ایک دوسرے کے لئے نہایت محبت اور اخوت کے جذبات رکھیں اور آپس میں اس قدر پرخلوص ہوں کہ اگر کہیں بھی مسلمان تکلیف میں مبتلا ہوں اس کا درد ہم محسوس کریں جو درحقیقت اپنی تکلیف کو دور کرنے کے لئے کرتے ہیں۔

آج معاشرہ میں جوخرابیاں پیدا ہوچکی ہیں، جو سماجی برائیاں عام ہیں وہ صرف اسی صورت میں دور ہوسکتی ہیں کہ ہم تمام معاملات میں اطاعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو لازمی قرار دیں۔ تعلیمات نبوی کو ہر وقت سامنے رکھیں اور ان پر دل وجان سے عمل کریں۔

عہد حاضر میں منشیات کا مسئلہ بڑی گھمبیر صورت اختیار کرگیا ہے۔ بلکہ یہ ایک عالم گیر مسئلہ بن گیا ہے اس کے خاتمے کے لئے بڑے زور وشور سے مہم چلائی جارہی ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ، نشر واشاعت کے تمام وسائل اختیار کئے جارہے ہیں۔ اخبار وجرائد، سیمینار اور کانفرنسوں کے ذریعے منشیات کے استعمال اور ان سے پیدا ہونے والی خطرناک صورت حال سے آگاہ کرنے کی بھرپور سعی کی جارہی ہے۔ لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود یہ مسئلہ ایک اذیت ناک مسئلہ بنتا جارہا ہے۔

اس کے مقابلے میں، جب صدر اسلام میں شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو محبوب کبریا حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ جاؤ اور مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں پھر کر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بلند آواز سے لوگوں تک پہنچادو۔ تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ جب لوگوں کے کانوں میں منادی کرنے والے کی آواز پہنچی تو جہاں جہاں شراب کی محفلیں سجی تھیں، میخوار جمع تھے، وہاں لبوں سے لگے شراب کے جام فرش زمین پر آ گئے۔ اس کے بعد کسی نے شراب کو منہ نہ لگایا، کسی کو اس کی طلب نہ رہی۔ وہ برتن جن میں شراب پلائی جاتی تھی وہ اس سے متنفر ہوگئے، اس کی وجہ کیا تھی؟ لوگوں نے اپنے آپ کو تعلیمات نبوی کی روشنی میں ڈھال لیا تھا۔ وہ دل وجان سے اس پر عمل کر رہے تھے۔ ان کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوچکا تھا۔ ان کے اندر خوف خدا اور آخرت کی جوابدہی کا احساس اجاگر ہوگیا تھا۔ آج بھی منشیات کی وبا کو روکا جاسکتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اعمال اور افعال اور سیرت وکردار کو اسوہ حسنہ کے مطابق ڈھال لیں۔ ہر فرد اپنی اپنی جگہ منشیات کی لعنت کے خاتمے کے لئے کوشاں ہوجائے۔ جب انسداد منشیات کی مہم میں قوم کا ہر فرد حصہ لے گا، حکومت اس کی پیدا وار اور ترسیل اور استعمال کو روکنے کے لئے سخت اقدامات کرے گی تو یہ مسئلہ حل ہوجائے گا۔

چنانچہ حکومت کے ساتھ ساتھ معاشرے کے تمام لوگوں کو جن میں والدین، اساتذہ، مشائخ عظام، علمائے کرام، سماجی تنظیمیں، ادارے، کارکن اور معاشرے کے سرکردہ افراد شامل ہیں، سب کو اس لعنت کے سدباب کے لئے بھرپور کوشش کرنی ہوگی۔ سب سے زیادہ والدین کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

والدین کا کردار: معاشرے میں انسان کو جن ہستیوں سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے، ان میں والدین کا مقام نہایت بلند ہے۔ والدین صرف اس کے وجود میں لانے کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ اس کی پرورش، نگہداشت اور تربیت کا سامان بھی ہوتے ہیں۔ وہ اپنی تمام خوشیاں، تمام راحتیں اور تمام وسائل اولاد کی تعلیم وتربیت پر نثار کردیتے ہیں۔

والدین، اولاد کے لئے ایسے سایہ دار شجر کی مانند ہوتے ہیں جو انہیں مصائب ومشکلات زمانہ کی دھوپ کی تپش سے بچاتا ہے، بے شک گلشن ہستی کی ساری بہار اور رونق والدین ہی کے دم قدم سے ہے۔ والدین کی قربانیوں ہی کے سبب، خالق کائنات نے اپنی آخری کتاب قرآن پاک میں اپنی عبادت کے بعد ان کے حقوق ادا کرنے کی واضح تلقین فرمائی:

وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایه وبالوالدین احساناً

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے قطعی حکم دے دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

پروردگار عالم نے اپنے انبیاء کو بھی یہی حکم دیا کہ ماں باپ کی نافرمانی نہ کرنا۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوا:

وبر بوالدیه جباراً عصیاً

ترجمہ: اور اپنے ماں باپ سے نیکی کرنا اور نافرمان نادان نہ ہو جانا۔

اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے پیروکاروں کو ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا اور فرمایا ''وہ ذلیل ہو، پھر ذلیل ہو، پھر ذلیل ہو'' صحابہ کرام دریافت کیا حضور کون؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جس نے ماں باپ دونوں کو یا ایک کو بڑھاپے میں پایا اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا''

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے باپ کی خوشنودی کو ہر حال میں مقدم رکھنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ کی رضا باپ کی خوشنودی میں ہے اور اس کی ناراضگی باپ کے ناراض ہونے میں ہے''

ادب واحترام اور حسن سلوک کا حقدار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صرف باپ کو ہی نہیں ٹھہرایا بلکہ اس کی وفات کے بعد اس کے دوست اور ملنے جلنے والے بھی اس کے حقدار قرار دیئے۔

نیکیوں میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ باپ کے بعد اس کے دوستوں سے نیکی کی جائے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے:

''والدین کے دوستوں اور سہیلیوں کی عزت وتکریم کرو''

جہاں اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے باپ کی ناراضگی کو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی قرار دیا ہے، وہیں اولاد کو یہ بھی بتا دیا:

الجنة تحت اقدام الامهات ترجمہ: جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بچے اپنے والدین سے حسن سلوک کریں، ان کا ادب واحترام ہر لحاظ سے کریں، کسی مرحلہ پر بھی کوئی کوتاہی نہ پائیں ورنہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

جس طرح والدین کے حقوق اولاد پر ہیں، اسی طرح اولاد کے بھی کچھ حقوق ماں باپ پر ہیں۔ بچے اللہ تعالیٰ کی نعمت بھی ہیں اور آزمائش وابتلاء کا باعث بھی۔ ارشاد ربانی ہے:

انما اموالکم و اولادکم فتنة

ترجمہ: بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے لئے آزمائش ہی ہیں۔

ایک روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اولاد کو باغِ الٰہی کے پھول قرار دیا لہٰذا احتیاط برتی جائے کہ باغ

الٰہی کے ان پھولوں کی نگہداشت ایسے احسن طریقے سے ہو کہ وہ پھلتے پھولتے رہیں، مرجھانہ جائیں تا کہ باغ کی رونق قائم ودائم رہے اور باعث تسکین دل وجان ہو۔

ظاہری اور جسمانی نشونما کے بعد اولاد کی باطنی اور روحانی تربیت کا درجہ آتا ہے۔قرآن پاک نے ایک مختصر سے جملے میں اس حقیقت کو نہایت جامع انداز میں بیان کیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم و اھلیکم ناراً

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔

اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچانا خاندان کے بزرگ یا نگران کا فرض ہے۔ یہ آگ دوزخ کی آگ ہے مگر اس سے مقصد ان تمام برائیوں اور ہلاکتوں سے ان کی حفاظت ہے جو بالآخر انسان کو جہنم کی آگ کا مستحق بنا دیتی ہیں۔اس طرح گھر کے سربراہ پر اولاد کی اخلاقی تربیت، دینی تعلیم اور نگہداشت کا فرض عائد کیا ہے۔فرمان نبی بھی ہے:

''باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سے سب سے بہتر عطیہ اس کی اچھی تعلیم وتربیت ہے''

پروردگار عالم نے ان لوگوں کی تعریف فرمائی جو اپنے بیوی بچوں کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ الٰہی تو ان کو ظاہر وباطن کا حسن، صورت وسیرت کی خوبی اور دین ودنیا کی بھلائی دے کر میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔ارشاد ربانی ہے:

والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین

ترجمہ: اور (جنت کے مستحق وہ بھی ہیں) جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک اچھے باپ کا فرض ہے کہ وہ اولاد کو نیک اور سعادت مند بنانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس کے لئے اچھائی اور سعادت مندی کی دعا بھی کرتا رہے اور اسی طرح اولاد کے حق میں اپنی کوششوں کی کامیابی کی تمنا بھی کرنا چاہیئے۔ ماں کی گود بچے کی اولین تربیت گاہ ہے، یہیں سے وہ زندگی کے طور طریقے سیکھتا ہے۔ایک ماں کی گفتار، کردار، طرز عمل کا اولاد پر سب سے زیادہ اور سب سے نمایاں اثر ہوتا ہے اور یہ اثر ساری زندگی باقی رہتا ہے۔جس طرح کسی بھی عمارت کی مضبوطی کا انحصار اس کی بنیاد پر ہوتا ہے، اسی طرح شخصیت کی تعمیر میں اس کی ابتدائی تربیت ہے۔اگر بنیاد مضبوط ہے، سیدھی ہے تو عمارت بھی مضبوط ہوگی، سیدھی ہوگی۔اسی طرح ماں کی تربیت اچھی ہوگی تو بچے کی شخصیت بھی ہر لحاظ سے مکمل ہوگی۔اس سلسلے میں نپولین کا یہ قول بڑا جامع اور پر معنی ہے ''تم مجھے اچھی مائیں دو، میں تمہیں اچھی قوم دوں گا''

کسی انسان کے اچھا یا برا ہونے میں اس کی تربیت کا بڑا دخل ہوتا ہے جو اسے ماں سے ملتی ہے۔اس عظیم ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ ماؤں کے قلوب جذبہ اسلام سے معمور ہوں۔وہ علم کی دولت سے بہرہ ور ہوں، بلند کردار کی مالک ہوں، اس کے قول وفعل میں کسی قسم کا تضاد نہ ہو اور ان کی زندگیاں اسلامی تعلیمات کے مطابق نور ایمانی سے منور، سادگی، کفایت شعاری،

قناعت پسندی، نفاست و پاکیزگی، عفت و پاک دامنی، شرم وحیاء، ایثار وقربانی اورعزم وہمت کا مرقع ہوں۔ایسی ماؤں کی گود سے جونسل پرورش پائے گی، اس کی فکر صالح اور کردار پاکیزہ ہوگا۔ وہ اسلامی معاشرہ کے قیام اور استحکام کا ذریعہ ثابت ہوگی اور اس سے کبھی کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہوگا، جوملک وملت کے وقار ومفاد کے خلاف ہو، یا اسلامی اقدار کے منافی ہو۔

دورحاضر میں معاشرے میں سماجی برائیاں عام ہیں۔خصوصاً سب سے بڑی برائی جوایک وبا کی صورت اختیار کرتی جارہی ہے وہ ہے منشیات کا استعمال۔ ماں باپ کو اس کے تدارک کے لئے بھرپور کوشش کرنا ہوگی۔جن بچوں کو گھر میں بہتر ماحول میسر ہو، ان پر خصوصی توجہ دی جارہی ہو، وہ منشیات کی طرف راغب نہیں ہوتے۔اس لئے والدین کو چاہئے کہ وہ بچوں کی تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دیں۔گھروں میں اسلامی ماحول پیدا کریں، بچوں میں حلال وحرام کی تمیز پیدا کریں۔انہیں جھوٹ، چوری، منافقت، چغل خوری اور بدزبانی سے دور رہنے کی تلقین کریں۔ایک دوسرے کے لئے ایثار وقربانی کا سبق سکھائیں۔انہیں تعلیم دیں کہ وہ کسی کی دل شکنی نہ کریں، کسی کی تضحیک نہ کریں، کسی کو طعنہ نہ دیں، ہرایک سے خندہ پیشانی سے پیش آئیں، کسی کو تکلیف میں دیکھیں تو اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔

والدین کا فرض ہے کہ وہ بچے کی اس طریقے سے پرورش کریں کہ ان کو کسی بھی موقع پر احساس محرومی کا خیال نہ آئے، ان میں خوداعتمادی بڑھے۔ پڑھائی کے اوقات مقرر ہوں، کھیل کود کی آزادی ہو، معاشرتی سرگرمیوں میں انہیں حصہ لینے کی اجازت ہو، ماں اور باپ کی شفقت سب بچوں کے لئے یکساں ہو۔اگر بچے سے کوئی غلطی ہوجائے تو اسے پیار ومحبت سے سمجھا دیا جائے۔ بچے کو زیادہ سے زیادہ مصروف رکھنے کی کوشش کی جائے اور دوستانہ ماحول میں اس کے مسائل کا حل تلاش کیا جائے تو وہ منشیات کی طرف راغب ہو ہی نہیں سکتا۔اگر پھر بھی خدانخواستہ کوئی بچہ منشیات کا استعمال کرنے لگتا ہے تو اس پر بہت زیادہ سختی نہ کریں اور نہ ہی صرف نصیحتیں کریں بلکہ یہ دیکھیں کہ اس نے نشہ کیوں شروع کیا؟ وہ کیا حالات تھے جن کے سبب وہ اس لعنت کا شکار ہوا؟ والدین کو چاہئے کہ وہ ایسے بچوں کے ساتھ ہرحال میں پرسکون رہ کر اس کی باتیں غور سے سنیں، ان کا جائزہ لیں اور پھر کوئی قدم اٹھائیں۔جب دوستانہ ماحول میں بچے سے بات چیت کی جائے گی اس کے مسائل پر توجہ دی جائے گی تو یقیناً وہ اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کرلے گا۔

مختصر یہ کہ بچوں کی عمدہ تربیت اوران کے والدین کی خصوصی توجہ بچوں کا منشیات کی لعنت سے دور رکھ سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ گھروں میں اسلامی ماحول پیدا کیا جائے تو منشیات کی وباء کا بہت حد تک خاتمہ ہوجائے گا۔

اساتذہ کا کردار: استاد ومعلم، معاشرے کا ایک ایسا فرد ہے جس کے سپرد ننھے منے بچوں سے لے کر بڑھاپے تک پہنچے ہوئے لوگوں کی صحیح بنیاد پر تعلیم وتربیت، تہذیب واخلاق اور تعمیر سیرت ہے۔اگر دیکھا جائے تو اس کے یہی فرائض ہیں جو اسے معاشرے میں عزت وتکریم کے بلند مقام پر بٹھاتے ہیں۔

اگر والدین بچے کی جسمانی پرورش کرتے ہیں، بہتر تربیت کے لئے کوشاں رہتے ہیں تو اساتذہ بچے کی تعلیمی، تہذیبی، اخلاقی، روحانی اور ذہنی پرورش کرتے ہیں۔لہٰذا ایک استاد کے لئے ضروری ہے کہ وہ تعلیم وتربیت کے میدان میں اعلیٰ پیشہ وارانہ قابلیت واہلیت کا حامل ہو۔اسے قرآن حکیم کی بنیادی تعلیمات، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ، اقوال تابعین وتبع تابعین، احوال صالحین اور پندونصائح بزرگان

دین سے واقفیت کے علاوہ دوسرے ادیان و مذاہب اوران کی تعلیمات سے بھی آگاہی ہوتا کہ اس سے اس کے متعلقین اچھی طرح مستفید ہوسکیں۔

ایک استاد کو معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں خصوصاً منشیات کے بڑھتے ہوئے استعمال، اس کے مضر اثرات اوراس کے تدارک کا علم بھی ہونا چاہئے۔منشیات کے استعمال کے خلاف اسے ایسے ترغیبی اور تعلیمی پروگرام مرتب کرنے چاہئیں جو نونہالان وطن کو منشیات کی وباء سے محفوظ رکھ سکیں۔

اساتذہ کو چاہئے کہ وہ منشیات کے متعلق مکمل معلومات رکھیں تا کہ بچوں کے ذہنوں میں ابھرنے والے سوالات کا تسلی بخش جواب دے سکیں۔طلبا کے تعلیمی معیاراوران کی دل چسپیوں کو مدنظر رکھ کر وقتاً فوقتاً انہیں منشیات کا استعمال کرنے کے خوفناک اثرات ہی نہ بتائیں، بلکہ انہیں یہ بھی بتائیں کہ ہمارا جسم کس طرح کام کرتا ہے اس پر کھیل کود اور ورزش کے کیا اثرات ہوتے ہیں اور منشیات ہمارے جسم پر کیسے اثر کرتے ہیں۔اس سلسلے میں اساتذہ کو غیر نصابی سرگرمیوں کے ذریعے طلباء میں خوداعتمادی، عزت نفس اوراحساس ذمہ داری جیسے احساسات سے بچے میں اچھی اور مثبت سوچ پیدا کرنا ہوگی اور وہ منفی رویے یا غلط خیالات سے دور رہے گا۔

بچوں میں منشیات کے استعمال کو روکنے کے لئے ان میں مقابلے بھی کرائے جاسکتے ہیں۔کھیلوں کے علاوہ ان میں ڈراموں، مذاکروں، کہانیوں، مضامین، چارٹس اور پوسٹرز کے ذریعے منشیات کے خلاف قوت مزاحمت پیدا کی جاسکتی ہے۔عام طور پر منشیات کا استعمال کرنے والا انسان عجیب وغریب طرز عمل کا مظاہرہ کرتا ہے۔اس کے رہن سہن کا طریقہ ہی بدل جاتا ہے بلکہ ظاہری شکل وصورت تک تبدیل ہوجاتی ہے۔اساتذہ کو چاہئے کہ وہ طلباء پر نظر رکھیں کہ ان کے طرز عمل، شکل وصورت اور موڈ میں اچانک کوئی تبدیلی تو نہیں آئی۔

اگر ایک طالب علم سکول سے بغیر کسی وجہ سے غیر حاضر رہتا ہے، اس کا تعلیمی معیار گرنے لگتا ہے، وہ اپنے ساتھیوں سے قرض لینے لگتا ہے، یا ساتھیوں کی چیزیں چرانے لگتا ہے، اس کا لباس بھی صاف ستھرا نہیں ہوتا، وہ دن بدن کمزور ہوتا جاتا ہے، چہرے کا رنگ پھیکا پڑ چکا ہوتا ہے، آنکھیں ویران ویران سی نظر آتی ہیں تو سمجھ لیجئے کہ وہ منشیات کے جال میں جکڑا جاچکا ہے۔ان حالات میں ایک استاد کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔اس لئے کہ استاد ہی بچے کو ظلمت سے روشنی کی طرف اور جہالت سے علم کی طرف لاتا ہے۔اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو منشیات کے استعمال سے بچائے۔اس وبا کو نہ صرف بڑھنے سے روکے بلکہ اس کے خاتمے کے لئے ہر ممکن کوشش بھی کرے۔بچوں کو منشیات کے استعمال اوراس کے مضمرات کے بارے میں آگاہ کرے اور ہر طالب علم کو اہمیت دے۔

مختصر یہ کہ بچے بلاشبہ کسی قوم وملت کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں اور ایسے سرمایہ کی نگہداشت بہرنوع ضروری ہے۔نونہالان وطن کی ذہنی، فکری، دینی اور ثقافتی تعمیر کے لئے سب سے پہلے تطہیر فکر ضروری ہے اور تطہیر فکر کے لئے قرآنی تعلیمات، مواعظ رسول اوراسوہ حسنہ سے بڑھ کر کوئی نسخہ کیمیا نہیں اور بچوں کو یہ روشن تعلیمات اساتذہ کے ذریعہ ہی موثر طریقے سے مل سکتی ہیں۔کاش ہمارے تعلیمی اداروں میں اس طرف توجہ بھی دی جانے لگے تا کہ ہمارے مستقبل کے معمار تمام برائیوں سے آزاد ہوکر نہ صرف خوشگوار ماحول میں اچھی زندگی گزاریں، بلکہ بڑے ہوکر ملک کی تعمیر وترقی میں بھی اہم کردار ادا کرسکیں۔

طلبہ کی تعمیرو ترقی میں استاد کا کردار

علامہ مفتی محمد اصغر علی رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ تعلیم کے باب میں سب سے کلیدی اور اہم کردار استاد کا ہے۔ استاد تعلیمی عمل کا ہیرو بلکہ بے تاج بادشاہ ہوا کرتا ہے۔ تعلیمی اداروں کی عالیشان عمارت، منقش در و دیوار، جدید سہولیات سے لیس کلاس روم نہ طلبہ کی قسمت سنوار سکتے ہیں نہ ہی عمدہ سے عمدہ اور پر مغز نصاب تعلیم ہی کچھ کارگر و بار آور ہوسکتا ہے۔ جبکہ ایک مخلص ہمدرد، محنتی، دور اندیش باخبر استاد درخت کی چھاؤں میں بارش سے ٹپکتی ہوئی جھونپڑی اور چلچلاتی ہوئی دھوپ میں بھی اپنے طلبہ کو مالا مال کرسکتا ہے اور کرتا ہے۔ ان کی مرجھائی ہوئی روح کو شگفتگی، شادابی، تازگی اور ہریالی عطا کرتا ہے۔ ان کی شخصیت کی نشو و نما و کردار سازی کرتا ہے۔ ان کے اندر احترام نفس و خودداری کا جذبہ موجزن کرتا ہے۔ اسی وجہ سے کہنے والوں نے ذرا مبالغہ نہیں کیا ہے کہ ملک و ملت کی تعمیر و ترقی اور خوشحالی استاد ہی کی رہین منت ہوا کرتی ہے۔ یقیناً گلشن زندگی میں رونق و رنگت چہل پہل نغمگی دلکشی و دل نوازی اس کے دم سے ہے۔ اسی کے سایہ عاطفت اور آغوش محبت میں قوم و ملت کا سرمایہ پرورش پاتا ہے۔ اس کی امانت میں وطن کی امانت پروان چڑھتی ہے۔ اس لئے استاد کو اپنی حیثیت، مقام و مرتبہ کو بخوبی پہچاننا چاہئے۔ اپنے فرائض کی ادائیگی میں حد درجہ حساس ہونا چاہئے۔ یہ قابل رشک مقام و درجہ بلندیونہی نہیں مل جاتا۔ یہ بھی کتنا ضروری ہے کہ غور و خوض، بحث و اطلاع اس کا شیوہ ہو، تحقیق و جستجو اس کا مشغلہ ہو، طلبہ کی ہمہ جہت نشو و نما اس کی فکر کا محور و مرکز ہو۔ ان کے آنے والے کل کو تابناکی، تابندگی، درخشانی سے ہمکنار کرنے میں ان کے کردار و عمل کو سماج و معاشرہ کیلئے کارگر و مفید بنانے میں انہیں تہذیب و شائستگی کی لذت و حلاوت سے لطف اندوز کرنے میں اپنی ذات کو کلی طور سے وقف کردے۔ ان سب سے بڑھ کر انہیں ایک انسان بنادے، ایک ایسا انسان جو اپنے خالق حقیقی سے آشنا ہو اور اپنا مقصد زیست بخوبی سمجھتا ہو۔ ایک ایسا انسان جو مخلوق خدا سے محبت میں بخیلی نہ کرتا ہو۔ مجبوروں، بے کسوں کی دادرسی و غمخواری کرتا ہو، ایثار و قربانی جس کی سرشت میں شامل ہو، جو ہم وطنوں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کرتا ہو، جس سے کترانے میں لوگ اپنی عافیت نہ سمجھتے ہوں بلکہ جس سے مل کر لوگ اپنا غم غلط کرتے ہوں، اپنا دکھ درد بانٹتے ہوں، جو دوسروں کی جیب کاٹ کر اپنا پیٹ نہ پالتا ہو، تعلیم یافتہ انسان کا محض اچھا سائنسدان ہونا، اچھا ادیب ہونا، اچھا ماہر ٹیکنالوجی ہونا کافی نہیں، اس کے دل میں خدا کے بندوں کی محبت، ان کے جذبات کا احترام اور ان کی تکلیفوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کی صلاحیت اور احساس کا ہونا ضروری ہے۔

ایک باخبر استاد طلبہ کی مخفی صلاحیتوں کو بیدار کرتا ہے اور ان کے اندر سیکھنے کی خواہش پیدا کرتا ہے، تدریسی عمل کا فطری اور کامیاب طریقہ بھی یہی ہے کہ طالب علم کو علم کی قدر و قیمت ذہن نشین کرائی جائے، اسے تعلیم کی لذت و حلاوت، شیرینی سے آشنا کیا جائے اور اس کے تجسس کو چھیڑ دیا جائے اس کے شوق کو مہمیز لگادی جائے، وہ دن لد گئے جب اطلاعات و معلومات کا ہجوم فراہم کردینے میں استاد کی لیاقت و صلاحیت کے گن گائے جاتے تھے، آج صورت حال یکسر بدل گئی ہے۔ اس منظر نامہ میں استاد کی ذمہ داریاں بھی بدل گئی ہیں۔ وہ فقط ایک رہنما بن گیا ہے۔ رہروی اور منزل تک رسائی طالب علم کے حصہ میں آئی۔ اس بات کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھا جاسکتا ہے۔ تعلیمی سفر میں طالب علم ایک مسافر کی مانند ہے جسے ایک نامعلوم منزل کی جانب پیش قدمی کرنی ہے، اسے صحیح طریقہ سے نہ راستے کا پتہ ہے نہ منزل کا۔ اس کا استاد ان دونوں اشیاء سے باخبر ہے۔ استاد کی ذمہ داری یہ ہے کہ طالب کو منزل کا پتہ اور وہاں پہنچنے میں جو منافع ہیں ایسے

دلکش و دلنشیں و دلنواز انداز میں بتائے کہ طالب علم کے اندر منزل تک پہنچنے کا شوق خود بخود پیدا ہو جائے۔ اگر وہ مقصود کو پانا ہی نہیں چاہتا، منزل تک رسائی کی اس کے اندر لگن وجذبہ ہی نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں وہ کیونکر پیش قدمی کرسکتا ہے اور کیونکر آگے بڑھ سکتا ہے۔

ٹھیک یہی چیز تعلیم پر بھی منطبق ہوتی ہے۔ اگر تعلیم کا شوق موج نہیں مار رہا ہے۔ اس کی بے حسی، سرد مہری اور بے رغبتی جوں کے توں باقی ہے تو کلاس میں اس کی جسمانی حاضری زندہ لاش سے زیادہ حیثیت واثر نہیں رکھے گی۔ اس لئے تو مفکرین تعلیم کا کہنا ہے کہ حقیقی تعلیم اس کے سوا کچھ نہیں کہ طلبہ کے اندر حصول تعلیم کا شوق ولگن پیدا کر دیا جائے، علم دراصل معلوم کرنے کی آرزو ہے۔ لیکن آج ان فطری اصولوں کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ استاد اپنے احساس محرومی و ناکامی کو چھپانے کیلئے طلبہ کو مشق ستم بناتا ہے۔ ان کے اوپر بے جا سختیاں کرتا ہے، جن کا نقصان کے سوا فائدہ نہیں ہونے والا۔ تعلیم کے معاملہ میں قہر وجبر کا برتاؤ کرنا قطعاً نفع بخش ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کا الٹا ہی اثر ہوتا ہے، خاص کر کم سنوں پر تو اس کے بھیانک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ قلب و ذہن سے نشاط، انبساط، امنگ، حوصلہ کی صلاحیتیں ختم ہوکر ان کی جگہ جھوٹ، نفاق، کام چوری کی عادت گھر کر جاتی ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جو قومیں ظلم وجور، جبر وتشدد کے سائے میں پرورش پاتی ہیں ان میں اخلاقی برائیوں کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔ تعلیمی کام کرنے والے سوچتے ہیں کہ آدمی کو کیا کرنا اور جاننا چاہئے مگر یہ نہیں سوچتے کہ بچہ کیا سیکھنا چاہتا ہے اور کس طرح سیکھ سکتا ہے۔ بچے کی تعلیم میں اس کی خوشیوں اور فہم کو بالائے طاق رکھ دینا۔ آج تعلیمی اداروں میں یہ بلا عام ہے کہ درس کو ذہن نشین کرانے کے بجائے اساتذہ رٹنے اور رٹانے ہی میں طلبہ کی فلاح سمجھتے ہیں۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ تمام سمجھی ہوئی باتیں یاد رہتی ہے لیکن بیشتر رٹی ہوئی چیزیں سمجھ سے باہر ہی ہوا کرتی ہیں۔ اور ایسی چیز کا علمی زندگی میں کوئی فائدہ بھی نہیں ہونے والا۔ کتنے ہی طلبہ ایسے ہوتے ہیں جن کی قوت یادداشت قابل ذکر تو نہیں ہوتی لیکن معاملات کی تہہ میں پہنچنے میں نمبر ایک ہوتے ہیں۔ جن لوگوں نے مسلمانوں کے حیرت انگیز اور عبرت خیز تنزل کا کھوج لگایا ہے وہ کسی نہ کسی راہ سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مسلمان جب سے جامد او صاف کے باج گزار ہوئے اور حافظہ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ جب سے انہوں نے ذہن وادراک کو پابہ زنجیر کر دیا تب ہی وہ زوال کی حوصلہ شکن اور تباہ کن راہ پر گامزن ہو گئے اور پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ اچھے استاد کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے عمل میں مخلص ہوتا ہے۔ اگر استاد کے دل میں اخلاص نہیں ہے تو طلبہ کو اس سے کوئی خاص فائدہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ سبق کی تیاری اور مطالعہ اخلاص کی دلیل ہوا کرتی ہے اور اگر استاد سبق کی تیاری کئے بغیر کلاس میں پہنچ جاتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ مخلص نہیں ہے۔ استاد کی کامیابی و ناکامی کا دارومدار مطالعہ پر ہی ہے۔ چنانچہ استاد کیلئے ضروری ہے کہ کلاس میں طلبہ کے روبرو ہونے سے پہلے مکمل تیاری کے ساتھ جائے اور حسب منصوبہ اپنا لیکچر پیش کرے۔ بصورت دیگر خفت ورسوائی اور ناکامی کا سامنا کرنا طے ہے۔ درسی کتابوں کے علاوہ غیر درسی کتابوں سے استفادہ کرتے رہنا چاہئے۔ اس سے اس کی صلاحیت، بصیرت میں نکھار پیدا ہوگا اور طلبہ کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ یہاں یہ بھی واضح کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ تدریس کے کچھ بنیادی قواعد ضروری ہیں لیکن تجربے سے اپنایا گیا طریقہ تدریس سب سے عمدہ طریقہ تسلیم کیا گیا ہے۔ آج ہمارے مدارس وجامعات میں مشق ومہارست پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ طلبہ، اساتذہ دونوں ہی اپنی تن آسانی اور عیش کوشی میں اس سے بچنے ہی میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ جب کہ مفکرین تعلیم کا کہنا ہے کہ سب سے عمدہ درس وہ ہے جس میں دس اجزاء ہوں۔ پہلا جز متن ہو اور بقیہ نو اجزاء مشق وتمرین پر مشتمل ہوں اور سب سے بہتر کلاس وہ ہے جس میں استاد سے زیادہ طلبہ کی مشارکت ہو۔ ہمارے اساتذہ کو اس فلسفہ کی جانب توجہ مبذول کرانی چاہئے کہ یہ تمام چیزیں تو اسی وقت ممکن ہوسکتی ہیں جب استاد کو قلبی و ذہنی ومعاشی طور پر اطمینان حاصل ہو۔ ذہنی ومعاشی مسائل میں مبتلا شخص تسلی بخش طور پر استاد کا حق قطعاً ادا نہیں کرسکتا۔ مفکرین کا کہنا ہے کہ لوگوں کو اگر عقل سے دشمنی نہ ہوتی تو وہ معلم کو ہر ضرورت دنیاوی سے بے نیاز کر دیتے۔ اگر وہ اشیاء کی قدر وقیمت کا اندازہ کرتے ہوتے تو معلم کی قیمت سب سے زیادہ لگاتے۔

محبتوں اور شجاعتوں کا قافلہ رواں دواں

چیئرمین شعبہ ختم نبوت کا دورہ مکہ و مدینہ منورہ

پروفیسر محمد عرفان محمود برق، چیئرمین شعبہ ختم نبوت ''شیران اسلام پاکستان'' رمضان المبارک کے آخری عشرے میں عمرہ کی سعادت کے لیے لاہور سے عازم مدینہ منورہ ہوئے تو تحریکی ساتھیوں نے مدینہ شریف کے ائیر پورٹ پر ان کو خوش آمدید کہا۔ عمرہ کے لیے مدینہ شریف جانے کی بڑی وجہ مکین گنبد خضریٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں اولین حاضری کی تمنا ہوتی ہے۔ انہوں نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جملہ مجاہدین ختم نبوت بالخصوص کارکنان، عہدیداران اور وابستگان ''شیران اسلام پاکستان'' کا سلام پیش کیا۔ مدینہ شریف میں سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزار اقدس پر محفل ختم نبوت منعقد کی گئی۔ پروفیسر محمد عرفان محمود برق، چیئرمین شعبہ ختم نبوت ''شیران اسلام پاکستان'' نے خطاب فرمایا اور کرنل وحید الدین صاحب نے دعا فرمائی۔ 16 شوال المکرّم، عظیم مجاہد ختم نبوت، قائد ملت اسلامیہ حضرت علامہ الشاہ احمد نورانی صدیقی رحمتہ اللہ علیہ کے لیے خصوصی دعا فرمائی گئی۔

مدینہ شریف میں محبّ ختم نبوت حضور بابا سائیں غلام محمد سوہو قادری کی صدارت میں محفل حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منعقد ہوئی جس میں پروفیسر محمد عرفان محمود برق، چیئرمین شعبہ ختم نبوت ''شیران اسلام پاکستان'' نے خطاب فرمایا اور حضور بابا سائیں غلام محمد سوہو قادری نے خصوصی دعا فرمائی۔ مدینہ شریف میں حاضری کے دوران اللہ جل مجدہ کے فضل وکرم سے مسجد نبوی میں بذریعہ وڈیو کال ایک قادیانی ڈاکٹر کا محبّ ختم نبوت حضور بابا سائیں غلام محمد سوہو قادری اور پروفیسر محمد عرفان محمود برق، چیئرمین شعبہ ختم نبوت ''شیران اسلام پاکستان'' کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد پروفیسر محمد عرفان محمود برق، چیئرمین شعبہ ختم نبوت ''شیران اسلام پاکستان'' عمرہ کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے۔ اپنے سفر حجاز مقدس میں پروفیسر محمد عرفان محمود برق، چیئرمین شعبہ ختم نبوت ''شیران اسلام پاکستان'' نے تحریکی، تنظیمی ساتھیوں، علماء ومشائخ اور ہم خیال لوگوں سے ملاقاتیں ہوئی۔

مرکزی امیر ''شیران اسلام پاکستان'' کا دورہ جنوبی پنجاب

21 مئی بروز ہفتہ مرکزی امیر ''شیران اسلام پاکستان'' حافظ محمد اظہر نعیم صاحب، ناظم مالیات عارف علی مجاہد صاحب اور خصوصی طور پر صاحبزادہ محمد طیب آسوی صاحب نے جنوبی پنجاب کا تنظیمی دورہ فرمایا۔ امیر جنوبی پنجاب قاری محمد عبدالحق چشتی نے مرکزی قیادت کو جنوبی پنجاب کے تمام اضلاع کا تفصیلی دورہ کروایا۔ تمام اضلاع اور کئی ایک تحصیلوں کی کابینہ سے تنظیمی معاملات، آئندہ کا لائحہ عمل، ''شیران اسلام پاکستان'' کی تمام تحصیلوں کی کابینہ مکمل کرنے سمیت حضور مفکر اسلام رحمتہ اللہ علیہ کا پیغام، تحفظ عقیدہ ختم نبوت کورسز کے لئے ورکشاپس کا انعقاد اور ملک پاکستان کی سلامتی کیلئے عملی جدوجہد کا ٹاسک دیا گیا۔

تمام عہدیداران وکارکنان تحفظ عقیدہ ختم نبوت کے لیے عملی جدوجہد کے لیے پرعزم ہیں۔ ''شیران اسلام پاکستان'' نائب امیر جنوبی پنجاب محمد بلال مراد قادری، ناظم نشر واشاعت جنوبی پنجاب قاری محمد زاہد اقبال، ڈسٹرکٹ رحیم یار خان نائب امیر عمر لطیف، ناظم سہیل منصور، نائب ناظم خادم حسین، ناظم نشر واشاعت محبوب علی، ناظم دعوت وتبلیغ تنویر احمد نقشبندی، امیر تحصیل صادق آباد قاری محمد ارشد عباس، ناظم قاری محمد طاہر نے شرکت کی امیر ڈسٹرکٹ راجن پور ملک محمد اجمل، ناظم ملک مجاہد حسین، ناظم دعوت وتبلیغ حافظ محمد رفیق، نشر واشاعت محمد شاہد، محمد عطاء اللہ چانڈیہ، قاری خورشید نے شرکت فرمائی۔ ڈسٹرکٹ لیہ سے حاجی محمد رمضان، حاجی غلام یسین اور ماسٹر محمد اعجاز شریک ہوئے۔

Monthly Mujalah
AL-HAQIQA
Reg No: C.P.L.208
June 2022